پھر سوئے حرم لے چل

سہیل انجم

(سفرنامۂ حج)

سہیل انجم

ناشر: مقدّس اکیڈمی

آئی ۔ ۲۸/ اے، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

زیر اہتمام: تخلیق کار پبلشرز

104/B ۔ یادور منزل، آئی بلاک، لکشمی نگر، دہلی ۔ ۱۱۰۰۹۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند باتیں

میں نے جس ماحول میں شعور کی آنکھیں کھولیں وہ ایک مذہبی ماحول تھا اور اس نے بلاشبہ میری اور میرے ہم عمر طبقہ کی ذہنی پرورش کسی حد تک مذہبی خطوط پر کی۔ ہمارے وطن اور ہمارے گاؤں کے قرب وجوار کے اس مذہبی ماحول کا سہرا بلاشبہ میرے والد گرامی حضرت مولانا حامد الانصاری انجم حفظہٗ اللہ کے سر جاتا ہے، جن کی گوناں گوں شخصیت اور اسلامی ماحول برپا کرنے کے جذبے نے پورے علاقے میں اسلامی روشنی پھیلا دی تھی۔ پہلے ایک اسلامی شاعر اور مداح رسول کی حیثیت سے اور پھر ایک اسلامی خطیب کی حیثیت سے ان کی شہرت کا ڈنکا دور دور تک بجتا تھا۔ اس وقت ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ "چراغ حرم" منظر عام پر آچکا تھا جس کی بیشتر نعتوں میں حرمین کی زیارت کی تڑپ جلوہ گر تھی۔ اس کے بعد "منار حرم" اور دیگر نعتیہ مجموعے شائع ہوئے۔ ہم لوگوں کا بچپن ان کی نعتیں، حفیظ جالندھری کے شہرہ آفاق شاہنامہ اسلام اور زائر حرم حمید صدیقی اور دیگر نعت گو شعرا کی نعتیں پڑھتے اور گنگناتے گزرا۔ جس کے سبب بچپن سے ہی دل میں یہ تڑپ بیٹھ گئی تھی کہ ہم بھی حرمین شریفین کی زیارت کریں۔ حفیظ جالندھری کے شاہ نامہ اسلام، والد صاحب کے نعتیہ مجموعے چراغ حرم اور منار حرم، زائر حرم حمید صدیقی اور دیگر نعت گو شعراء کی نعتوں

نے دل ودماغ پر جواثرات مرتب کیے تھے وہ اب تک قائم ہیں۔ اسی لیے جب فریضۂ حج کی ادائیگی اور حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی تو بچپن میں پڑھے ہوئے بیشتر اشعار لاشعور سے نکل کر شعور کے پردے پر آگئے اور خاص طور پر والد صاحب کے یہ اشعار بار بار یاد آتے رہے۔

خلوص و محبت کی ہر بات ہوگی
جب اہل حرم سے ملاقات ہوگی
حرم میں کبھی دن کبھی رات ہوگی
ہمہ وقت ان سے ملاقات ہوگی
غلاف حرم ہوگا ہاتھوں میں جس دن
انعامات مولیٰ کی برسات ہوگی

اک حسن نظارہ دیکھیں گے، اللہ کا جلوہ دیکھیں گے
جس روز فضائے مکہ میں ہم خانۂ کعبہ دیکھیں گے

نہایت حسیں ہیں مدینے کی گلیاں
بہار آفریں ہیں مدینے کی گلیاں

حریم روضۂ خیر الوریٰ کی بات کرتے ہیں
دیارِ مصطفیٰ اور مصطفیٰ کی بات کرتے ہیں
حرم کی بات کرتے ہیں منیٰ کی بات کرتے ہیں
قبا کی اور پھر اہل قبا کی بات کرتے ہیں

مدینے کی گلی کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے
یہاں ہر ہر قدم پر زندگی معلوم ہوتی ہے

ایسے ہیں میرے شاہِ مدینہ
ہو انگوٹھی میں جیسے نگینہ
ہند میں مَیں تڑپتا ہوں یارب
یہ بھی ہے کوئی جینے میں جینا

جب یہ خوش خبر ملی کہ امسال فریضۂ حج کی ادائیگی کرنے والوں میں میرا بھی نام شامل ہے تو ایسے بیشمار اشعار یاد آنے لگے اور وہ آج بھی ذہن ودماغ میں ایک دم تازہ ہیں۔ دامن حرمین میں قیام کے دوران بھی یہ اشعار جوش وجذبات کو مہمیز لگاتے رہے اور آج بھی لگا رہے ہیں۔ اس سفرنامہ کو تحریر کرنے کے دوران بھی ایسے اشعار بار بار میرے قلم کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے اور اگر میں یہ کہوں تو شاید غلط نہیں ہوگا کہ ان اشعار نے اس سفرنامہ کے انداز تحریر کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے۔

جب میں حج کے لیے روانہ ہونے لگا تو چند ایک لوگوں نے کہا کہ وہاں تم اپنے شب وروز ایک صحافی کی حیثیت سے بھی گزارنا اور جو کچھ مشاہدے میں آئے اس کو واپسی پر ضرور تحریر کرنا۔ لیکن میں یہ اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ میرے اندر کی صحافتی حِس دامن حرمین شریفین میں انتہائی کمزور وناتواں ہو کر رہ گئی تھی اور میں نے پورا سفر ایک عازم کی حیثیت سے ایک زائر کی حیثیت سے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے مکمل کیا۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایک صحافی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسے

مشاہد کی حیثیت سے لکھا ہے جس کی زندگی کے شب وروز پر ان بارہ دنوں نے زبردست اثرات مرتب کیے ہیں اور میرا خیال ہے کہ کم وبیش ہر حاجی ان حالات وکیفیات سے گزرتا ہوگا جن سے میں روبرو ہوا۔

میں نے کتاب کے نام کے سلسلے میں کافی غور کیا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کا نام ایسا ہو جس سے حرمین شریفین سے ایک مسلمان کا قلبی وجذباتی لگاؤ مترشح ہو۔ اس سلسلے میں کئی نام زیر غور تھے لیکن مجھے سُوئے حرم کی ترکیب سب سے اچھی لگی۔ تاہم چونکہ اس نام سے کئی سفرنامے پہلے سے موجود ہیں، لہٰذا میں نے شاعر مشرق، حکیم الامت علامہ اقبالؔ کی ایک نظم ''دعا'' کے ایک شعر سے کتاب کا نام مستعار لے لیا۔ شعر یوں ہے۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

اس شعر کے پہلے مصرعے سے حرمین کی زیارت کے تعلق سے ایک مسلمان کی دلی تمنا، تڑپ اور آرزو اجاگر ہوتی ہے۔ اس طرح کافی غور وفکر کے بعد کتاب کا نام ''پھر سُوئے حرم لے چل'' رکھ دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ اس ناچیز کی کاوش کو قبول کرے اور اپنے گھر اور اپنے محبوب کے دیار کی زیارت کی پھر توفیق بخشے۔ (آمین)

ـــ سہیل انجم
(اگست 2007)

قافلہ سوئے حرم

۲۸؍دسمبر، ۸؍ذی الحجہ یعنی ترویہ کا دن۔ صبح کے نو بجے کا وقت اور بامبے ایئر پورٹ کا وسیع میدان۔ احرام کی دو سفید چادروں میں ملبوس ۲۰ عازمین حج کا قافلہ۔ سعودی ایئر لائنز کا دیوہیکل طیارہ اپنے دونوں پَر پھیلائے کھڑا ہے۔ وہ بس اڑنے کو بیتاب ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ بھی تلبیہ یعنی لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکُ پکار رہا ہے۔ بامبے کا موسم دہلی کے مقابلے میں کافی گرم ہے لہٰذا احرام میں ملبوس ہونے کے باوجود سردی کا احساس ناپید ہے۔ بیس حاجیوں کے اس قافلے میں یہ خاکسار بھی ہے جو حج کی سعادت نصیب ہونے پر انتہائی نازاں ہے۔

اللہ کا گھر اور رسولؐ اللہ کا شہر دیکھنے کی تمنا کس مسلمان کے دل میں نہیں۔ لیکن یہ سعادت صرف انھی کو نصیب ہوتی ہے جن کا اللہ کی طرف سے بلاوا آتا ہے۔ ورنہ سنا تو یہ بھی ہے کہ سعودی عرب میں بیس بیس پچیس پچیس سال ملازمت کرنے کے باوجود کچھ لوگ حج کا مقدس فریضہ ادا نہیں کر پاتے۔ لیکن یہاں تو بغیر مانگے ہی مراد پوری ہو رہی تھی۔ دل کے نہاں خانے میں یہ خواہش اکثر کلبلاتی رہتی تھی کہ کاش مجھے بھی احرام کی دو سفید چادروں میں ملبوس ہونے اور خانۂ خدا کا طواف کرنے کا موقع ملتا۔ لیکن ابھی تک قسمت نے یاوری نہیں کی تھی۔ اچانک ایک روز سعودی سفارت خانہ دہلی میں عہدیدار شیخ احمد رومی نے کان میں ایسا مژدہ سنایا کہ ہوش اڑ گئے۔ دل بلیوں اچھلنے لگا اور ایک عجیب و غریب کیفیت نے پورے وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ یقین نہیں آیا کہ انھوں نے کیا کہا میں نے دوبارہ ان سے پوچھا اور پھر انھوں نے اپنی بات

دُہرائی۔ میرے نام قرعہ فال نکل رہا تھا، بلکہ نکل گیا تھا اور اس پر سعودی سفارت خانہ کے حکام کو اپنی مہر لگانی تھی۔ سو سفیر کبیر جناب صالح بن محمد الغامدی نے اپنی مہر ثبت کر دی۔

۲۱ر دسمبر کو شیخ احمد رومی نے بذریعہ فون اطلاع دی اور ۲۲ر دسمبر کو سعودی سفارت خانہ میں پاسپورٹ جمع کروا دیا۔ ۲۱ر سے ۲۸ر دسمبر تک کا آٹھ روز کا وقفہ اور دل کے نہاں خانے میں تلاطم خیز جذبات کا سمندر۔ احباب کو علم ہوا تو مبارکباد یوں کا سلسلہ چل پڑا۔ بذریعہ فون اپنے وطن میں والدین، بھائیوں اور اعزا کو اس کی اطلاع دی تو سب کی زبان سے دعائیں نکل پڑیں اور سب نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ بعض دوستوں نے سوال کیا کہ کیا اس مبارک سفر کی دعائیں بہت زیادہ مانگی تھیں اور بعض نے کہا کہ کسی مبارک لمحے میں دعا نکلی ہوگی جو بارگاہِ ربّ العزت میں شرفِ قبولیت پا گئی۔ میں سوچتا رہا کہ کیا واقعی میں نے کبھی ایسی کوئی دعا کی تھی، یاد نہیں آیا۔ البتہ گزشتہ چند برسوں سے یہ خواہش شدت اختیار کرتی جا رہی تھی کہ کاش اس خاکسار کے قدم اس مقدس سرزمین پر پڑتے جو دنیا کی سب سے متبرک جگہ اور جو دنیا کا سب سے قابل قدر مقام ہے۔ جب بعض احباب یہ سوال کرتے کہ تمہارے متعدد ہم پیشہ دوست غیر ملکی اسفار کر رہے ہیں تم امریکہ اور برطانیہ کا سفر کیوں نہیں کرتے تو دل میں بے ساختہ یہ خیال آتا کہ غیر ملکی سفر کرنا ہے تو امریکہ اور برطانیہ کا ہی کیوں؟ ہاں میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ مکہ اور مدینہ کی سرزمین دیکھوں اور وہاں کا قصدِ سفر کروں۔ کبھی کبھار یہ تمنا دعا بن کر ہونٹوں پر مچلنے کو بیتاب ہو جاتی۔ اب جبکہ میرا نام ان مبارک لوگوں میں لکھ دیا گیا ہے جو امسال حج کرنے جا رہے ہیں تو یہ احساس ہو رہا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے میرے دلی جذبات کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اب میری پاک تمنا ایک حقیقت کا روپ اختیار کرنے والی ہیں۔

۲۲ر دسمبر کو پاسپورٹ جمع کروانے کے بعد یہ علم ہوا کہ جمعیۃ علمائے ہند کے

سکریٹری مولانا عبدالحمید نعمانی بھی اس گروپ میں شامل ہیں۔ انتہائی خوشی ہوئی۔ شام کے وقت دفتر قومی آواز سے ان کو فون کرکے بلوایا اور دفتر کے ایک ساتھی غفران احمد کی گاڑی سے ہم لوگ حج منزل ترکمان گیٹ ٹیکہ لگوانے گئے۔ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا اصغر سلفی امام مہدی کے سکریٹری مولانا محمد رئیس نے مشورہ دیا کہ آج ہی ٹیکہ لگوالیں کل ہفتہ ہے پتہ نہیں لگے یا نہ لگے۔ انھوں نے بتایا کہ پٹنہ کے ایک نوجوان عطاء اللہ انور بھی اسی گروپ میں ہیں اور وہ ان کو ٹیکہ لگوانے لے جارہے ہیں۔ مگر جب ہم حج منزل پہنچے تو وہ لوگ واپس جاچکے تھے۔ ہم لوگوں کا پاسپورٹ سفارت خانہ میں تھا اور حج منزل کے کاغذات پر پاسپورٹ نمبر کا اندراج ضروری تھا۔ محمد رئیس نے مولانا اصغر سلفی سے جو کہ اس وقت سفارت خانہ ہی میں موجود تھے، میرا پاسپورٹ نمبر معلوم کیا اور بذریعہ فون اطلاع دی۔ مولانا اصغر سلفی بھی عازم حج ہیں البتہ وہ دوسرے وفد میں شامل ہیں۔ ٹیکہ لگوانے کے بعد وہیں سے احرام کی چادریں اور کمر میں باندھنے والا بیلٹ خریدا گیا۔ وہاں سے واپس دفتر آئے۔ اس درمیان سعودی سفارت خانہ سے بذریعہ فون بتایا گیا کہ تم کو اور خالد انور کو ممبئی سے فلائیٹ پکڑنی ہے۔ تھوڑا تردّد ہوا مگر احباب نے کہا کہ اللہ کی راہ میں جارہے ہو، جتنی مصیبتیں آئیں گی وہ سب عبادت بن جائیں گی۔ گویا جتنی تکالیف اتنے ثواب۔ دل مطمئن ہوگیا اور ممبئی جانے کی تیاری کی جانے لگی۔

اسی درمیان ایک روز مولانا اصغر سلفی کے گھر گئے تو اچانک ایک شناسا چہرہ سامنے آگیا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہی عطاء اللہ انور ہیں، جو آپ لوگوں کے ساتھ ممبئی سے جانے والے ہیں۔ ان کو دیکھتے ہی دل خوش ہوگیا۔ ان سے پاکوڑ کی اہلحدیث کانفرنس میں ملاقات ہوچکی تھی۔ البتہ وہ ملاقات بہت مختصر تھی۔ تاہم چونکہ وہ اس مبارک سفر میں ہمارے ہمسفر تھے، لہٰذا بے انتہا خوشی ہوئی۔ ہم اور خالد انور نے ۲۷ر دسمبر کو بذریعہ طیارہ ممبئی جانے کا اور عطاء اللہ انور نے دو روز قبل بذریعہ ٹرین جانے کا پروگرام بنایا۔

سفیر کبیر کی توجہ خاص سے اس بار ہندوستان سے پچاس حاجیوں کے گروپ کوضیوف خادم حرمین شریفین بننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ۳۰ حاجیوں کا قافلہ ۲۷ ردسمبر کو دہلی سے محوِ پرواز ہورہاہے اور ۲۰ حاجیوں کا قافلہ ۲۸ کوممبئی سے۔ ۲۷ کی دوپہر تک گھر پر قریبی عزیزوں اور دوستوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ ہم نے سہارا ائیرویز سے دہلی سے ممبئی کا ٹکٹ لیا ہے۔ فلائیٹ کو چار بجے سہ پہر پرواز بھرنی ہے۔ لہٰذا دن میں ایک بجے اہلیہ اور بچوں نے ایئرپورٹ تک ساتھ دیا اور پھر ہم اپنی آنکھوں میں دنیا کا سب سے انوکھا خواب لیے ائیرپورٹ کے اندر چلے گئے اور بچے خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات اپنی آنکھوں میں سمیٹے گھر واپس آگئے۔

ممبئی کے ڈومیسٹک ایئرپورٹ پر دولوگ ہمارے منتظر ہیں۔ ایک ممبئی حج کمیٹی کا ڈرائیور اور دوسرے صوبائی جمعیت اہلحدیث کے آفس سکریٹری شمس الدین جو کہ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے ذمہ داروں کی ہدایت پر آئے ہیں۔ ہم لوگ حج کمیٹی کی گاڑی سے روانہ ہوئے۔ ابھی تک ہم ٹکٹ سے محروم ہیں۔ یہ بتایا گیا تھا کہ ایئرپورٹ پر ٹکٹ ملے گا۔ مگر دل کی بیقراری بڑھتی جارہی ہے۔ دل کہہ رہا ہے کہ کوئی معمولی سی بھی چوک نہیں ہونی چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خدانخواستہ اس مبارک سفر سے محروم رہ جائیں۔ راستے میں ہم اور شمس الدین گاڑی سے اتر کر سعودی قونصلیٹ میں برسرکار مولانا عبدالجلیل مکی سے ملنے چلے گئے تاکہ حقیقت حال کا پتہ لگایا جاسکے۔ نماز مغرب کے بعد ان سے ملاقات ہوتی ہے۔ انھوں نے دو چار جگہ فون کیا تو پتہ چلا کہ تمام لوگ ایئر لائنز جاکر اپنا ٹکٹ لے چکے ہیں صرف تین لوگوں کے ٹکٹ رہ گئے ہیں۔ ان میں دو ہم لوگ اور ایک مولانا عطاءاللہ امینی بھیونڈی ہیں۔ گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہوگیا۔ خدانخواستہ کوئی گڑبڑ نہ ہوجائے۔ اب تک تو قونصلیٹ بھی بند ہوچکا ہے اور ایئر لائنز کا دفتر بھی۔ مولانا عبدالجلیل مکی نے بڑی محبت کے ساتھ خفگی کا اظہار کیا اور کہا کہ ایک روز پہلے کیوں نہیں آگئے۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ اِدھر اُدھر فون بھی کرتے رہے۔ بالآخر قونصلیٹ کے ایک اہم ذمہ دار سے ان کا رابطہ ہوگیا جس

نے ان کو بتایا کہ جو ٹکٹ رہ گئے ہیں وہ ایئر پورٹ پر دے دیئے جائیں گے۔ دل ودماغ کو اطمینان نصیب ہوا کہ چلو یہ مرحلہ بخیر وخوبی حل ہوا۔

ممبئ ایئر پورٹ اور جذبات کا طوفان

وہاں سے ہم لوگ ممبئ حج کمیٹی گئے، جہاں چھٹی منزل پر واقع مہمان خانہ میں خالد انور موجود تھے۔ ان کی خواہش کہ رات میں یہیں قیام کیا جائے مگر ہمارے دونوں میزبانوں کا خیال کہ نہیں صوبائی جمعیت چلا جائے۔ شمس الدین نے بتایا کہ وہاں قیام وطعام کا انتظام ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ایئر پورٹ یہاں سے کافی دور ہے جبکہ صوبائی جمعیت کے دفتر سے کافی قریب ہے۔ خالد انور انتہائی مطمئن کہ یہیں قیام کیا جائے۔ صبح یہیں سے ایئر پورٹ چلیں گے لیکن میرے دل کے مخفی گوشے سے یہ آواز آئی کہ صوبائی جمعیت کے آفس ہی چلو۔ کم از کم اس سرزمین کے کچھ اور قریب ہوجائیں گے جس کا قصدِ سفر کیا ہوا ہے۔ صوبائی جمعیت کے دفتر میں ہمارے ایک اور ساتھی موجود ہیں۔ یہ ہیں صوبائی جمعیت اہلحدیث حیدرآباد کے امیر مولانا عبدالباسط ریاضی۔ بڑی محبت سے ملے۔ انتہائی خوشی کا مظاہرہ کیا۔ انھیں ہم لوگوں کی آمد کا پہلے سے علم تھا۔ پوری رات تقریباً جاگتے گزر گئی اور ۲۸ر دسمبر کو فجر کی نماز ادا کر کے ہم لوگ ایئر پورٹ کے لیے نکل گئے۔ مولانا عبدالباسط کا خیال تھا کہ یہیں سے احرام باندھ لیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جہاز میں میقاط کا پتہ نہ چلے۔ ہندوستان سے بذریعہ طیارہ جانے والوں کے لیے میقاط یلملم ہے جو طیارے کی چند گھنٹے کی پرواز کے بعد دمام کے بعد آتا ہے۔ جہاز میں اس کا اعلان بھی ہوتا ہے کہ میقاط آنے والا ہے جو لوگ احرام نہ باندھے ہوں وہ باندھ لیں۔ بہر حال ہم لوگ بغیر احرام باندھے ایئر پورٹ روانہ ہوگئے۔ مولانا عبدالحق بھی آگئے ہیں۔ وہ بھی ہم لوگوں کے ساتھ چل رہے ہیں۔ چونکہ سعودی ایئر لائنز کی فلائٹ کا وقت صبح ساڑھے دس بجے ہے لہٰذا ہم سات بجے ایئر پورٹ کے گیٹ پر پہنچ گئے۔ گیٹ پر سعودی

قونصل خانہ میں عہدیدار رمضان پٹیل سے ملاقات ہوتی ہے وہ ہم لوگوں کو اندر لے جاتے ہیں۔ ابھی تک ہم ٹکٹ سے محروم ہیں۔ یہاں ہم لوگوں نے احرام باندھ لیا۔ سعودی ایئر لائنز کے کاؤنٹر پر بورڈنگ کارڈ ملتا ہے اور تھوڑی دیر میں سعودی قونصلر آ کر ہم لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ انتہائی خلیق اور ملنسار، خوش دل اور نرم گفتار۔ وہ حاجیوں کو الوداع کہنے آئے ہیں۔ کم و بیش نصف گھنٹے تک ان سے گفتگو کر کے حاجیوں کا قافلہ امیگریشن وغیرہ کی کارروائیوں سے فارغ ہو کر لاونج میں پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جہاز میں سوار ہونے کا اعلان ہوا اور ہم چیکنگ کی معمولی اور معمول کی کارروائیوں سے گزر کر جہاز میں داخل ہو گئے۔ ہمیں انتہائی عزت واحترام کے ساتھ اگلی نشستوں پر بٹھایا گیا۔ جہاز نے پرواز بھری تو یوں لگا کہ ہماری تقدیر کو پَر لگ گئے ہیں۔ پورا وجود جذبات کے بحرِ بیکراں میں غوطہ زن ہے۔ یہ جہاز اوپر کو اٹھ رہا ہے یا ہماری تقدیر اوجِ ثریا پر جا رہی ہے۔ ہم جیسے گناہگاروں کی ایسی عزت افزائی، ہم جیسے نابکاروں کی ایسی خاطر و مدارات۔ ادھر جہاز کے ساتھ ساتھ جذبات بھی خلائے بسیط میں محوِ پرواز اور ادھر ہم اپنی خوبیٔ قسمت پر نازاں۔ سوچ رہے ہیں کہ کیا ایسے بھی قسمت بدلتی ہے اور کیا اس انداز میں بھی نوازا جاتا ہے۔ بیشک اللہ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلّت دے۔

جہاز کو راستے میں ایندھن لینا ہے لہٰذا وہ دمام ایئرپورٹ پر اتر گیا اور ایک گھنٹہ رکنے کے بعد جہاز نے پھر پرواز بھری اور ہم مقامی وقت کے مطابق دن میں ڈھائی بجے جدہ ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ رن وے پر اترنے سے قبل جہاز نے جدہ شہر کے اوپر سے پرواز کی اور ہم لوگ کافی دیر تک شہر کے فضائی مناظر سے مسحور ہوتے رہے۔ جہاز تو رن وے پر رک گیا لیکن جذبات کی بلند پروازی جاری رہی۔ دل کی دھڑکنیں جو مژدۂ جاں فزا سننے کے بعد تیز ہو گئی تھیں اب بھی نارمل نہیں ہو پائی ہیں۔ ایئر پورٹ پر ہم لوگوں سے ہمارے پاسپورٹ لے لیے گئے اور ہماری کلائیوں پر ضیوف خادم حرمین شریفین کا ایک ٹیگ باندھ دیا گیا۔ جس پر عمارۃ المرجان شارع عبداللہ

خیاط لکھا ہوا ہے۔ اب یہی ہمارا پاسپورٹ ہے، ہمارا ویزا ہے، ہمارے شاہی مہمان ہونے کا ثبوت ہے اور ہمارا سب کچھ ہے۔

جدہ ایئر پورٹ قدامت و جدت کا حسین سنگم

ہم لوگوں کو ایئر پورٹ کی عمارت کے آخری سرے پر لے جایا گیا۔ جدہ ایئر پورٹ قدامت اور جدت کا ایک حسین سنگم معلوم ہوتا ہے۔ اونچی اونچی عمارتیں جدید آسائشوں اور سہولتوں سے لیس۔ مگر ان کے اوپر وسیع و عریض خیمے۔ خالی جگہوں پر بھی خیمے اور عمارتوں کے اوپر بھی۔ پورے ایئر پورٹ کو قدیم اور جدید تہذیبوں کا حسین مرقع بنا دیا گیا ہے۔ گویا دو تہذیبیں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہی ہیں۔ خیمے یہ احساس دلاتے ہیں کہ یہاں کے مکین اپنی قدیم تہذیب کو بھولے نہیں ہیں اور انھوں نے قدیم و جدید تہذیب کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کا خوبصورت گر سیکھ لیا ہے۔

ہم لوگوں کو فوراً ناشتہ دیا گیا اور اسی کے ساتھ ایک ایک بیگ بھی جس میں حج کے ارکان کی ادائیگی کے دوران کام آنے والی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ ناشتے سے فراغت کے بعد وہاں بچھے ہوئے دبیز قالینوں پر ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کی گئیں۔ اس وقت تقریباً چار بج رہے ہیں۔

اس سے پہلے جہاز میں اس پر تبادلہ خیال ہوا تھا کہ ہم لوگ حج تمتع کی نیت کریں یا حج افراد کی۔ دونوں طرح کی باتیں سامنے آئیں مگر مولانا عطاء اللہ (بھیونڈی) کی دلیل زیادہ مضبوط نظر آئی۔ انھوں نے کہا کہ وقت نہیں ہے۔ حج تمتع نہیں ہوسکتا۔ ہم لوگوں کو مکہ جا کر خانۂ کعبہ کا طواف کرنے کے بجائے سیدھے وادی منیٰ جانا پڑے گا۔ لہٰذا حج افراد کی نیت کی جائے۔ ہم لوگوں نے حج افراد کی نیت کی۔ بعض لوگوں نے حج تمتع کی۔ ان کی دلیل تھی کہ حج تمتع نہیں ہوسکا تو ہم اس کی نیت

فسخ کر کے حج افراد کی نیت کرلیں گے۔

جدہ ایئر پورٹ پر ہم لوگوں کو بٹھا کر ہمارے میزبان ہم سے ''لاپروا'' ہو گئے۔ ادھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دل کی کیفیت بدلتی رہی، اضطراب بڑھتا رہا اور تمام حاجی پیچ وتاب کھاتے رہے۔ صبر کا مادّہ کس میں ہے، دل کہہ رہا ہے کہ اُڑ کر مکہ پہنچ جائیں مگر یہ ناممکن ہے۔ دوسری طرف زبان یار من عربی و من عربی نمی دانم والا معاملہ ہے۔ جب بہت دیر ہوگئی اور مولانا عطاء اللہ خاں نے ایئر پورٹ پر کام کررہے ایک لڑکے سے ایک مقامی SIM کارڈ منگوا کر اپنے موبائیل میں ڈالا اور دل بہلانا شروع کیا تو حسین احمد زہرانی نے میزبانوں سے پروگرام کے بارے میں معلوم کیا۔ پتہ یہ چلا کہ اب یہ ہم لوگوں کو براہ راست میدان عرفات لے جائیں گے۔ سننے میں یہ بھی آیا کہ کوئی فلائٹ بحرین سے آرہی ہے اس کا انتظار ہے۔ پھر بتایا گیا کہ ویتنام سے فلائٹ آرہی ہے اور تینوں گروپوں کو ایک ساتھ لے جایا جائے گا۔ جوں جوں اس قسم کی خبریں آتیں حاجیوں میں مایوسی بڑھ جاتی۔ کہاں یہ تڑپ کہ طواف قدوم کیا جائے اور کہاں یہ صورتحال کہ منیٰ بھی نہ جاپائیں۔ کچھ لوگوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا اور وہ منتظمین کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگے۔ لیکن غالباً وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف نہیں تھے کہ منتظمین کی بھی مجبوریاں ہیں۔ دنیا بھر سے لوگ آئے ہیں اور اگر وقت نہیں ہے تو مکہ کیسے لے جائیں گے اور جب راستہ کھلا ہوا نہیں ہے تو وادیٔ منیٰ کیسے لے جایا جائے گا۔

(حسین احمد زہرانی حیدر آباد کے ہیں اور برسوں سے کسی عرب ملک میں رہ رہے ہیں۔ وہ بھی ہمارے گروپ میں ہیں اور ان کی اہلیہ اور ایک شیر خوار بچہ بھی ہے ۔ زہرانی صاحب سے بہت کام نکلا اور وہ عرفات، منیٰ اور مکہ میں ہم لوگوں کی خیریت لیتے رہے۔ اکثر اوقات یہ محسوس ہوتا کہ وہ مہمان نہیں بلکہ میزبان ہیں۔)

جدہ ایئر پورٹ پر جہاں ہم لوگوں کو ٹھہرایا گیا ہے ایک کھلی جگہ ہے، انتہائی مضبوط اور پرمانٹ خیمے نصب ہیں مگر بہت بلندی پر۔ ہوا بہت تیز ہے جو جسم کے اندر

تک پہنچ رہی ہے۔ احرام کی چادریں دسمبر کے آخری دنوں میں اس ریگستانی ہوا کو روکنے کی متحمل نہیں۔کوئی کسی چیز کی آڑ میں پناہ لے رہا ہے،کوئی کسی چیز کی آڑ میں۔

لیجئے مغرب کا وقت ہوگیا۔ ہم لوگوں نے وہاں واقع عارضی مسجد میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں۔اس کے بعد ہم لوگوں کو کھانا کھلایا گیااور روانگی کا مژدہ سنایا گیا۔قریب ہی وہ بس کھڑی تھی جس میں ہم لوگوں کا سامان لدا تھا۔ کچھ حاجی جاکر اس میں بیٹھ گئے۔ ہم لوگ بھی وہیں پناہ گزیں ہوگئے۔ لوگ اندر اندر پیچ وتاب کھاتے رہے کہ آخر کیا ہوگا، کہاں لے جائیں گے، کچھ پتہ نہیں۔ گھنٹوں کی تڑپ کے بعد بالآخر رات میں آٹھ بجے ہم لوگوں کو بتایا گیا کہ ہم منیٰ نہیں جاسکتے۔ زبردست اژدہام ہے اور جگہ جگہ پولیس کی چیکنگ چل رہی ہے۔ جو لوگ صبح منیٰ کے لیے نکلے ہیں وہ اب تک نہیں پہنچ پائے ہیں لہٰذا آپ لوگوں کو میدان عرفات لے چل رہے ہیں۔

قانون کی حکمرانی کا نمونہ

خدا خدا کر کے ٹیپ پر چل رہی تلاوت قرآن مجید کے درمیان ہماری بس آگے بڑھی۔تقریباً چالیس سال کے ایک شخص اور پندرہ سولہ سال کا ایک نوجوان ہم لوگوں کی رہنمائی کے لیے بس میں موجود ہیں۔تقریباً نصف گھنٹے کے بعد ایک پٹرول پمپ پر بس رک گئی اور کافی دیر تک رکی رہی۔ اتنے میں ایک منی ٹرک آکر رکتا ہے اس میں گدے تکیے اور کمبل لدے ہیں۔ ان کو اتار کر ہماری بس میں لادا جاتا ہے۔ یہ میدانِ عرفات میں ہم لوگوں کے استعمال کی چیزیں ہیں۔ دل بہت خوش ہوا کہ یہ لوگ حاجیوں کی کتنی خدمت کر رہے ہیں۔ بس چل پڑی اور ہمارا ''بڑا رہنما'' بس سے اتر گیا۔ نوجوان معلم بس میں موجود ہے۔ وہ ہم لوگوں کو میدانِ عرفات لے جارہا ہے۔ حسین زہرانی کو ہم لوگوں کا نگراں بنادیا گیا۔ چالیس پینتالیس کلومیٹر کے بعد بحرہ کی پولیس چیکنگ سے قبل ہی راستے میں گاڑیوں کے ہجوم اندر ہجوم ملنے لگے۔

بس کی رفتار کم ہوگئی۔ جدہ ایئر پورٹ پر جو بتایا گیا تھا وہ سچ لگنے لگا۔ کئی کلومیٹر تک ٹریفک جام کا سلسلہ، ڈرائیور نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا اور نیچے کی بھیڑ کاٹ کر فلائی اوور پر پہنچ گیا۔ وہاں پولیس کا چیک پوسٹ ہے۔ کئی پولیس والے موجود ہیں جو گاڑیوں کو روک رہے ہیں۔ سیکڑوں گاڑیوں کو روک رکھا گیا ہے۔ ہماری بس بھی روک دی گئی۔ دس پندرہ منٹ کے بعد بس چلی۔ ڈرائیور نے یوٹرن لیا اور واپس جدہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ ہم لوگوں نے سمجھا کہ پولیس نے ہم شاہی مہمانوں کے اس قافلہ کے لیے کوئی محفوظ راستہ بتایا ہے۔ مگر یہ کیا آٹھ دس کلومیٹر کا راستہ طے کرنے کے بعد بس پھر اسی مقام پر آگئی۔ اس بار بس فلائی اوور پر چڑھنے کے بجائے نیچے سے جارہی ہے۔ یہاں بھی وہی پولیس موجود ہے۔ اس نے پھر روکا۔ نوجوان معلم نیچے اترا۔ کچھ کاغذات دکھائے اور بس کی ونڈ اسکرین پر چسپاں دوفٹ چوڑا اور تین فٹ لمبا "تصیوف خادم حرمین شریفین، وزارت شیئون الاسلامیہ والاوقاف" کے اسٹیکر کی طرف اشارہ کیا۔ مگر پولیس جوان نہیں پسیجا، اس نے پھر بس واپس کردی۔ بس نے پھر یوٹرن لیا اور آٹھ دس کلومیٹر کا راستہ طے کرکے بس پھر چیک پوسٹ کے قریب پہنچ گئی اور ایک پٹرول پمپ پر رک گئی۔ ادھر ہم لوگ پریشان ادھر بے چارے نوجوان معلم کی حالت غیر۔ پولیس ہم لوگوں کا پاسپورٹ دیکھنا چاہتی ہے جو جدہ ایئر پورٹ پر ہی جمع کرالیا گیا تھا۔ وہاں یہ اندازہ ہوا کہ سعودیہ کی پولیس کو واقعی بے پناہ اختیارات حاصل ہیں وہ قانون کی سخت پابند ہے اگر جائز دستاویزات نہیں ہیں تو وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔ اور جب ایک بار اس نے "خلاص" کہہ دیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کرسکتی۔ تین فٹ لمبے وزارت کے اسٹیکر نے بھی اس کو خوفزدہ نہیں کیا۔ دراصل وہ ہندستان کی پولیس نہیں ہے کہ اس کو دھونس میں لے لیا جائے۔ یہاں ہندوستان میں تو ایک بالشت سے بھی چھوٹے اسٹیکر کی طرف اشارہ کردینے سے ہی راستہ کھل جاتا ہے۔ مگر یہاں تو ماجرا ہی دوسرا ہے۔

پٹرول پمپ پر بس کھڑی ہے اور اس چکر میں کئی گھنٹے صرف ہوچکے ہیں۔

گاڑیوں کی قطار وہاں تک پہنچ گئی ہے۔ جام بھی بڑھ رہا ہے اور حاجیوں کا اضطراب بھی۔ مایوسی کی کیفیات بھی اس اضطراب میں شامل ہیں۔ اگر آج رات میں ہم لوگ میدانِ عرفات نہیں پہنچے تو کل کیا ہوگا کچھ پتہ نہیں۔ کل نویں ذی الحجہ ہے اور ہر حاجی کے لیے عرفات میں وقوف لازم ہے۔ اتنے میں کچھ لوگ بس کے قریب آتے ہیں اور اپنی زبان میں کوئی پیش کش کرتے ہیں۔ زہرانی صاحب بتاتے ہیں کہ یہ ''دلال'' ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ فی حاجی اتنے ریال دو تو ہم تمہاری بس عرفات میں پہنچادیں گے۔ پولیس کا کوئی چکر نہیں ہوگا۔ شاید ان دلالوں کو علم نہیں کہ یہ توضیوف خادم حرمین شریفین ہیں۔ وہ ان شاہی مہمانوں کو لوٹنے چلے ہیں۔ ان کو حج کے تمام ارکان کی ادائیگی کرانے کی ذمہ داری حکومت کے سر ہے۔ یہاں یہ اندازہ ہوا کہ کرپشن ہر جگہ موجود ہے۔ پولیس والا اگر نہیں جانے دے رہا ہے تو کیا ہوا رشوت لے کر ہم لوگوں کو عرفات پہنچانے والے دلال تو موجود ہیں۔ کئی گھنٹے کے بعد یہ خوشخبری سننے کو ملی کہ ہمارا ''بڑا ذمہ دار'' خود آ رہا ہے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد ایک اور نوجوان آتا ہے۔ بتایا گیا کہ یہ پولیس والا ہے اور اس کے ہاتھ کوئی پختہ کاغذ ہے۔ بس آگے بڑھی حاجیوں میں امید و بیم کی کیفیت ہے۔ ایک حاجی نے اعلان کیا کہ آپ لوگ دعائیں پڑھیں اور درود بھیجیں۔ لوگوں نے با آواز بلند دعائیں پڑھنی شروع کیں۔ اتنے میں ہم پھر چیک پوسٹ پر پہنچ گئے اور پولیس نے تیسری بار ہماری گاڑی روک دی اور کہا کہ واپس جاؤ۔ حاجیوں میں اشتعال پیدا ہو گیا اور بہت سے حاجی نیچے اتر آئے اور پولیس والے کو ڈانٹنے لگے کہ تم نے ہم کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ ارے ہم شاہی مہمان ہیں۔ یہ دیکھو ہمیں جو بیگ دیا گیا ہے اس پر ضیوف خادم حرمین شریفین پرنٹ ہے۔ بعض نے کلائیوں پر بندھا ہوا ٹیگ دکھایا۔ پولیس والوں کی بات نہ ہم سمجھ رہے ہیں اور نہ ہماری بات وہ۔ مگر پھر پتہ نہیں کیا ہوا ان کے دلوں میں رحم کے جذبات امڈ آئے کہ انھوں نے چند منٹ کے بعد بس کو آگے جانے کی اجازت دیدی۔ حاجیوں کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں۔ لوگ زور زور سے تلبیہ پڑھنے لگے۔ بس آگے بڑھی اور جب عرفات

کے قریب پہنچنے لگی تو وہاں کے مناظر دیکھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور حاجی اس ''ناروا سلوک'' کو بھول گئے جو پولیس چیک پوسٹ پر پیش آیا تھا۔

میدان عرفات کے جاذب نظر مناظر

چند کلومیٹر کا فاصلہ ہم نے کئی گھنٹوں میں طے کیا اور رات میں ڈیڑھ بجے میدان عرفات پہنچے۔ جب بس اس خیمے کے پاس پہنچی جس کے گیٹ پر ہرے رنگ میں ''ضیوف خادم حرمین شریفین: وزارت شیئون الاسلامیہ والاوقاف'' کا لمبا چوڑا بینر لگا تھا تو وہاں ہم لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ بس میں جو گدے اور کمبل لادے گئے تھے ان کی کوئی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ یہاں اس کا پہلے سے انتظام تھا۔ نوجوان رضا کار دوڑ دوڑ کر ہر شخص کے لیے ایک بیڈنگ، ایک کمبل اور ایک تکیہ لا رہے ہیں اور عزت واحترام کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ ضیوف خادم حرمین کے زمرے میں پوری دنیا سے ایک ہزار حاجیوں کو حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے مدعو کیا گیا ہے۔ ان حاجیوں کے لیے کئی خیمے ہیں۔ الگ الگ ملکوں کے الگ الگ خیمے۔ انہی خیموں کے درمیان کئی خیموں کو ملا کر ایک بہت بڑی عارضی مسجد بھی بنائی گئی ہے۔ چند فرلانگ کی مسافت پر مسجد نمرہ ہے۔ جو سال میں ایک دن پرجوش حاجیوں کو اپنی آغوش میں بھر لیتی ہے۔ مسجد نمرہ انتہائی وسیع وعریض اور خوبصورت ہے۔ حجاج اس میں نماز ادا کرنے کے لیے نویں کی رات ہی سے آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس مسجد کی بڑی فضیلت واہمیت بیان کی گئی ہے۔ اس کا بنیادی رقبہ ایک لاکھ ۲۴ ہزار مربع میٹر تک پھیلا ہے۔ اس کے ایک حصہ کو دو منزلہ بنا دیا گیا ہے جس کا رقبہ ۲۷ ہزار میٹر ہے۔ مسجد کے اندر بیک وقت تین لاکھ افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس کی توسیع اور مرمت پر ۲۳ کروڑ سات لاکھ ریال خرچ ہوئے ہیں۔

جبل رحمت

ہم لوگوں نے بس سے اپنا سامان منگوایا اور دن بھر کی درماندگی کے بعد سو گئے۔ فجر کے وقت اٹھ کر نماز ادا کی اور پھر یہ پلان بنایا گیا کہ مسجد نمرہ چلتے ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی عطاء اللہ انور تو مسجد نمرہ میں فجر کی نماز ادا کر کے آگئے۔ انھوں نے کہا کہ اب وہ نہیں جا سکتے زبردست بھیڑ ہے۔ خیر ہم چند لوگ مولانا عبدالعزیز بھٹکلی (ندوہ) کی قیادت میں خیمے سے باہر نکلے۔ انھوں نے اپنے سابقہ تجربے کی روشنی میں مسجد نمرہ نہ جانے کی صلاح دی۔ پھر ہم لوگ جن میں قاضی انیس الرحمٰن قاسمی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بھی ہیں، ان کے ساتھ جبل رحمت دیکھنے کے لیے چل پڑے۔ سب ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہیں خدشہ یہ ہے کہ اگر کوئی چھوٹ گیا تو بچھڑ جائے گا۔ اطراف و جوانب سے حاجیوں کی لاتعداد گاڑیاں آرہی ہیں۔ لوگ غول در غول پیدل بھی چل رہے ہیں اور بلند آواز میں تلبیہ پکار رہے ہیں۔ بڑا ہی جاذب نظر منظر ہے۔ چاروں طرف سے حاجیوں کی یلغار ہے۔ میدان عرفات نے بھی اپنی آغوش وا کر دی ہے اور لاکھوں کا مجمع اس میں سما جانے کو بیتاب ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ حاجیوں کی تعداد خواہ کتنی زیادہ کیوں نہ ہو جائے میدان عرفات کا دامن تنگ نہیں ہوتا۔ ایسی گاڑیوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے جن پر حاجیوں میں مفت تقسیم کرنے کے لیے پھل، دودھ، دہی اور مشروبات لدے ہیں۔ آنے جانے والے حاجی ان گاڑیوں سے سامان لے رہے ہیں اور کھا پی رہے ہیں۔ تقریباً ایک پون گھنٹہ چلنے کے بعد دور سے جبل رحمت نظر آیا۔ جس پر ایک سفید پتھر نصب کر کے نشانی لگا دی گئی ہے۔ مسجد نمرہ سے زیادہ مسافت نہیں ہے۔ یہ وہی جبل رحمت ہے جس پر کھڑے ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع فرمایا تھا اور اس عہد کے جابرانہ نظام کی نفی کرتے ہوئے انسانیت کو ایک نئی زندگی کا پیغام دیا تھا۔

میدانِ عرفات حج کے موقع پر میدانِ حشر کا سماں پیش کرتا ہے۔ لوگ منیٰ سے

نمازِ فجر ادا کر کے ہی یہاں پہنچنا شروع ہو گئے ہیں۔ آج ۹ رذی الحجہ کی تاریخ ہے اور آج ساری دنیا کے حجاج اس میدان میں پہنچ گئے ہیں۔ اس جگہ ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ہی اذان سے ادا کی جاتی ہیں۔ امام خطبہ حج بیان کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اجتماعی مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔

یہ مسلمانوں کا عالمی جلسہ ہے جو صدیوں سے جاری ہے۔ یہ رکن دین ہے۔ آج سورج ڈوبنے کے بعد یہاں نمازِ مغرب پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ لوگ بستر باندھ کر مزدلفہ کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور وہیں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں یکجا کر کے ادا کریں گے۔

اسلام میں حج ۹ ر ہجری میں فرض ہوا تھا۔ اسی سال نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ اُس وقت اُن کے ساتھ تین سو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حج کے لیے آئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی روانگی کے بعد سورۃ برأت نازل ہوئی۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو سورۃ برأت کی پہلی چالیس آیات دے کر اپنے نمائندے کی حیثیت سے روانہ فرمایا۔ حضرت علیؓ نے ان آیات کو ان کے احکام کے مطابق عرفات میں آ کر سارے مجمع حجاج میں سنایا۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے اندر داخل نہ ہونے پائے گا۔ آئندہ کوئی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کر سکے گا۔

اس اعلان کے بعد مشرکینِ عرب کے لیے جاہلیت کا حج ممکن نہ رہا اور وہ بتدریج اسلام قبول کرتے چلے گئے۔ دوسرے سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حج کیا جسے ہم حجۃ الوداع کے نام سے جانتے ہیں۔ ذوالحلیفہ سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھ کر تلبیہ پکارنا شروع کر دیا تھا۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ. لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ. اِنَّ الْحَمْدَ
وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ

اس اعلان کے ساتھ ہی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے

جا رہے ہیں، ہر جگہ سے لوگ فوج در فوج شامل ہوتے چلے گئے۔ ہر ٹیلے کی بلندی سے نعرۂ تکبیر بلند ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ سلم جب مکہ مکرمہ میں پہنچے تو وادئ ذی طویٰ میں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے اور پھر بالائے مکہ سے ہجوم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور کعبۃ اللہ کا طواف کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کے جلال و اکرام کو آشکارا کیا۔ زیارتِ کعبۃ اللہ کے بعد صفا اور مروہ پر تشریف لے گئے وہاں سعی کی اور ان کی چوٹیوں پر کھڑے ہو کر کلماتِ توحید و تکبیر بلند کئے۔ نمازِ فجر کے بعد آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں تشریف لے گئے اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں منیٰ میں ہی ادا کیں۔

خطبہ حجۃ الوداع

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۹ رذی الحجہ کو طلوعِ آفتاب کے بعد وادئ نمرہ میں آ کر اُترے۔ اسی وادی کے ایک طرف میدانِ عرفات اور دوسری طرف مُزدلفہ ہے۔ دن ڈھلنے کے بعد میدانِ عرفات میں تشریف لائے۔ تمام میدان انسانوں سے بھرا ہوا تھا، اور ہر شخص تکبیر و تسبیح و تحلیل میں مصروف تھا۔ اس وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار کا مجمع عظیم احکامِ الٰہی سننے کے لیے ہمہ تن گوش تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر خطبہ دیا۔ قصویٰ جبل الرحمت پر کھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری خطبہ انسانیت کے نام اسلام کا وہ منشور ہے جو رہتی دنیا تک انسانیت کو سلامتی و رحمت کا پیغام دیتا رہے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لوگو ____! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔ لوگو __! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی اور اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو _! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے

تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

لوگو ___ ! جاہلیت کی ہر ایک بات میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ میں جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیا میٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے۔ ابن ربیعہ بن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے مار ڈالا تھا۔ میں وہ خون چھوڑتا ہوں۔ پہلا سود ___ جو میں اپنے خاندان کا مٹاتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا ہے۔

لوگو ___ ! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں۔ لیکن اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو۔

عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ اور اچھی طرح پہناؤ۔

لوگو ___ ! میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ قرآن ___ اللہ کی کتاب ہے۔

لوگو ___ ! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ کوئی جدید اُمّت پیدا ہونے والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنجگانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو۔ مالوں کی زکوٰۃ نہایت خوش دلی کے ساتھ دیا کرو۔ خانۂ خدا کا حج بجالاؤ اور اپنے میں سے حکام کی اطاعت کرو۔ جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کے فردوسِ بریں میں داخل ہو گے۔

لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیا جواب دو گے۔ (آوازیں بلند ہوئیں۔ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچا دیئے اور نبوت کا حق ادا کر دیا۔ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے حق وناحق کو واضح کر دیا)۔ اس شہادت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف انگشتِ شہادت اٹھائی اور فرمایا ___ اے خدا تو سن لے کہ تیرے بندے کیا گواہی دیتے ہیں۔ اے خدا، گواہ رہنا، اے خدا، شاہد رہنا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا)۔

پھر فرمایا ___ جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں، یہ بات پہنچا دیں۔ ممکن ہے کہ بعض موجودہ سننے والوں سے وہ لوگ زیادہ یاد رکھنے والے ہوں، جن تک یہ بات پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ختم ہوا تو اسی جگہ یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.
(سورہ المائدہ: آیت ۳)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ اور میں نے تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند کر لیا۔

۱۰/ذی الحجہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰۰/اونٹنیوں کی قربانی دی۔ ۶۳ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور ۳۷ حضرت علیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ذبح کیے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف میں واپس آ کر طوافِ کعبہ کیا۔

خطبۂ حج

دور سے اسی جبل رحمت کا دیدار کر کے ہم واپس آ رہے ہیں جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آخری خطبہ فرمایا تھا۔ مگر یہ کیا یہاں تو سارے مناظر بدل چکے ہیں۔ جن راستوں سے ہم ابھی آئے تھے ان کو پہچاننا مشکل ہے۔ سڑکوں پر گاڑیوں کی قیامت خیز آمد و رفت جاری ہے اور سڑکوں کے کنارے گاڑیاں قطار اندر قطار کھڑی ہوگئی ہیں۔ پیدل چلنے کی جگہ نہیں بچی ہے۔ فٹ پاتھ پر چھوٹی چھوٹی عارضی دوکانیں لگ گئی ہیں۔ گھبراہٹ کے عالم میں ہم لوگ اپنا خیمہ تلاش کر رہے ہیں اور یہ

فکر بھی دامن گیر ہے کہ کہیں کوئی بچھڑ نہ جائے۔ خدا خدا کر کے خیمے کے گیٹ پر پہنچے تو گیٹ بند ہو چکا ہے، ابھی صبح کے آٹھ ساڑھے آٹھ بجے ہیں اور ابھی سے یہ عالم ہے۔ ہم نے اپنی کلائیوں پر بندھا ٹیگ دکھایا اور اندر گئے۔ اندر کا منظر بھی یکسر تبدیل ہو چکا ہے۔ قدم قدم پر چائے اور کافی کی ٹیبلیں سج گئی ہیں۔ کیتلیاں گرم ہو گئی ہیں اور ہر پانچ گز کے فاصلے پر مختلف قسم کے پھلوں کی میزیں سجادی گئی ہیں۔

ایک مقامی ریڈیو اسٹیشن سے کل رات سے ہی تلاوت اور تقریر جاری ہے۔ تقریر اردو اور عربی دونوں زبانوں میں ہو رہی ہے۔ خیمے کے پاس ہی پختہ اور پرمانٹ غسل خانے اور پاخانے بنے ہوئے ہیں۔ اب وہاں بھی بھیڑ بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم لوگ بھی غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر نماز جمعہ کے لیے تیار ہو گئے۔ امسال جمعہ کے روز حج پڑا ہے اس لیے حاجیوں میں زیادہ جوش وخروش ہے۔ لوگ جمعہ اور حج کا خطبہ سننے کے لیے رات ہی سے مسجد نمرہ کو آباد کیے ہوئے ہیں۔ اب وہاں جانے کی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے خیموں کے درمیان واقع عارضی مسجد میں ہم لوگ پہنچ گئے۔ مسجد نمرہ سے امام صاحب کا خطبہ شروع ہو گیا ہے۔ اس خطبے کو مقامی ریڈیو سے جوڑ دیا گیا ہے اور کئی کلومیٹر پر محیط پورے میدان عرفات میں خطبہ حج سنائی دے رہا ہے۔ مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الشیخ نے خطبہ حج دیا اور عالم اسلام کو درپیش عالمی چیلنجوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے تدارک کی راہیں بجھائیں۔ جمعہ اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا کی گئیں اور پھر ہم لوگ اپنے خیموں میں چلے آئے۔ دوپہر کا کھانا روایتی عربی انداز میں کھلایا گیا اور انتہائی لذیذ بریانی سے تواضع کی گئی۔ یہ بھی بتاتے چلیں کہ نماز جمعہ سے کچھ پہلے وہ دوسرا قافلہ بھی ہم لوگوں سے آملا جو دہلی سے روانہ ہوا تھا۔ ہمارے قافلے میں جہاں مولانا عطاء اللہ خاں بھیونڈی، عطاء اللہ انور پٹنہ، خالد انور، خالد سیف اللہ رحمانی حیدرآباد، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی پھلواری شریف، مولانا عبیداللہ اسعدی، مولانا عبدالباسط ریاضی حیدرآباد، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوہ، ڈاکٹر شعیب ممبئی، ڈاکٹر جیلانی چنئی، اور دیگر لوگ ہیں تو دوسرے قافلے

میں سابق چیف جسٹس آف انڈیا اے ایم احمدی، سابق وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ سید شاہد مہدی، سابق ایم پی وسیم احمد، مولانا احمد بخاری امام جامع مسجد دہلی، مولانا مفتی مکرم احمد امام مسجد فتحپوری دہلی، مولانا عمید الزماں کیرانوی، پروفیسر زبیر فاروقی وڈاکٹر حبیب اللہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم جامعہ ہمدرد، ایس۔ایم خان پریس سکریٹری صدر جمہوریہ، مولانا عبدالحمید نعمانی جمعیۃ علمائے ہند، مولانا محمد جعفر وڈاکٹر محمد احمد جماعت اسلامی ہند، ڈاکٹر پاشا جے این یو، اور آندھرا پردیش کے وزیر مسٹر بشیر احمد وغیرہ ہیں۔

وقوف عرفہ حج کالازمی جز ہے۔اس کے بغیر حج نہیں۔ یہاں حاجیوں کے ذہن ودماغ پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم بھی اس حج میں شریک ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع فرمایا تھا۔ ہم نے ایسے متعدد حاجی دیکھے جو جگہ جگہ کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر دعائیں مانگ رہے ہیں اور ان پر گریہ وزاری کی ایسی کیفیت طاری ہے کہ آنکھیں سرخ ہیں، چہرہ آنسوؤں سے تربتر ہے اور وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہیں۔

عرفات سے مزدلفہ اور منیٰ کا سفر

غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ کے لیے نکل جانا ہوتا ہے جہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھی جاتی ہیں اور پھر رات گزار کر فجر کی نماز ادا کرکے منیٰ کے لیے روانہ ہونا ہوتا ہے۔مگر یہاں سے مغرب بعد نکلنا ناممکن تھا۔ تیس چالیس لاکھ حاجیوں کا مجمع اور میدان عرفات کی آغوش۔حاجیوں کا قافلہ مغرب بعد نکلنا شروع ہوگیا، مگر ہم لوگوں کو رات میں دس بجے بس میں بیٹھنے کا حکم ملا۔ باہر سڑک پر آئے تو یوں لگا کہ جیسے کوئی بہت بڑا طوفان آیا ہوا تھا اور اب وہ اتار پر ہے۔ زبردست جدوجہد کے بعد ہم لوگوں کو ہماری بس میں بٹھا دیا گیا اور ہم رات میں ڈھائی بجے مزدلفہ کے ابتدائی حصے میں پہنچے۔

بس پر سوار ہونے میں جو دشواریاں پیش آئیں وہ نا قابلِ بیان ہیں۔ ہمارے ذمہ دار جب ہم لوگوں کو خیموں سے نکال کر کھلی سڑک پر لائے تو زبردست طوفان آمد و رفت جاری تھا۔ سڑک پار کرنا آگ کا دریا عبور کرنے جیسا تھا۔ خدا خدا کر کے سڑک پار کی اور جوں ہی دو ایک بسیں طوفانی رفتار سے آ کر رکیں، ہمارے ذمہ داروں نے کہا کہ ان میں جلدی سے بیٹھ جایئے۔ مگر قبل اس کے کہ ہم لوگ بسوں کے گیٹ تک پہنچتے وہ بھر گئیں اور ہم مایوس و نامراد چند قدم پیچھے لوٹ آئے۔ دس پندرہ منٹ تک یہ عمل چلتا رہا۔ بسیں آتیں اور آنِ واحد میں بھر جاتیں۔ ادھر اس پورے گروپ کو جس میں پچاس افراد شامل تھے لاکھوں کے مجمع میں ایک ساتھ متحد رکھنا انتہائی دشوار تھا۔ بعض ساتھیوں نے جھنجھلا کر کہا کہ ہم اس طرح بس میں سوار نہیں ہوں گے۔ ہم واپس خیمے میں چلتے ہیں۔ جو قافلہ دہلی سے آیا ہے اس کا ساز وسامان مکہ کے ہوٹل میں رکھوا دیا گیا ہے۔ مگر ہم ممبئی سے آنے والوں نے ابھی ہوٹل کا منھ نہیں دیکھا ہے۔ لہٰذا ہمارا تمام سامان ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ ہمیں اپنے سامان کے ساتھ وہ بستر بھی لے کر مزدلفہ اور منیٰ جانا ہے جو عرفات میں ملا ہوا تھا۔ ہاتھوں میں اٹیچی، دونوں کندھوں پر بیگ اور سر پر بستر اور پھر اوپر سے لاچاری و بے بسی کا بوجھ۔ بس میں سوار ہوں تو کیسے؟ کچھ لوگ واپس ہونے لگے۔ اتنے میں پھر دو بسیں آئیں اور ہمیں تیزی کے ساتھ ان میں سوار ہونے کو کہا گیا۔ اس زبردست ازدہام اور آپا دھاپی میں کسی کو کسی کی فکر نہیں۔ فکر ہے تو بس اپنی اور اتنی کہ کسی طرح بس میں سوار ہو جائیں۔ کوئی اور چڑھ پایا یا نہیں، یہ سوچنے کی فرصت کس کو ہے۔ اس ہنگامہ خیز طوفان میں جیسے تیسے ایک بس میں سوار ہو گئے اور بس کے اندر جب سیٹ ملنے پر اطمینان ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں ہمارے گروپ کے صرف پانچ سات لوگ ہی ہیں، جن میں مولانا سید احمد بخاری، مولانا محمد جعفر، مولانا عطاء اللہ امینی یہ خاکسار اور عطاء اللہ انور ہیں۔ بڑی گھبراہٹ ہوئی کہ باقی لوگ چھوٹ گئے۔ عرفات اور منیٰ میں لوگوں کے کھو جانے کے اتنے واقعات سن رکھے تھے کہ ہم لوگوں میں

سراسیمگی پیدا ہوگئی اور خاص طور میں بہت پریشان ہوا۔ عطاء اللہ انور نے کہا کہ ممکن ہے کہ بقیہ لوگ منیٰ میں مل جائیں۔ آدھ پون گھنٹے کے بعد بس روانہ ہوئی اور راستے بھر ہم لوگ دعائیں مانگتے رہے کہ یااللہ باقی ساتھیوں سے ملادے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سب لوگ منتشر ہوجائیں اور کسی سے ملاقات ہی نہ ہو۔ بس چل پڑی مگر اژدہام کے سبب رینگتے ہوئے چل رہی ہے۔ راستے میں بس میں کچھ خرابی پیدا ہوگئی۔ تقریباً پون گھنٹے کے بعد اسے ٹھیک کرلیا گیا اور بس پھر روانہ ہوگئی۔ رات میں ڈھائی بجے مزدلفہ کے ابتدائی حصے میں پہنچے اور ڈرائیور نے ادھر ادھر بس کو گھمانے کے بعد ایک نسبتاً کھلی جگہ ملنے پر اسے روک دیا۔ یہ اعلان ہوا کہ یہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کریں۔ بس سے اترے تو ایک آواز آئی کیوں سہیل صاحب آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر چلے آئے۔ مڑ کر دیکھا تو خالد انور تھے۔ انھوں نے بتایا کہ پچھلی بس میں ہم تمام لوگ سوار ہیں۔ اتنی خوشی ہوئی کہ ناقابل بیان ہے۔ میری کیفیت بالکل اس بدو کی ہوگئی جس کو اپنا کھویا ہوا اونٹ ملنے پر اتنی خوشی ہوئی تھی کہ اللہ کا شکر ادا کرتے وقت خود کو رب اور اللہ کو اپنا بندہ کہہ ڈالا تھا۔ ساتھیوں کے ملنے کے بعد یہ واقعہ بے ساختہ یاد آگیا۔

یہاں بھی حشر کا عالم ہے۔ انتہائی وسیع وعریض علاقے میں پہاڑوں کے دامن میں لوگ بکھرے پڑے ہیں۔ گرچہ جگہ جگہ استنجا خانے اور وضو خانے موجود ہیں مگر ان پر اتنا رش ہے کہ نصف گھنٹے سے قبل نمبر آنے کا سوال ہی نہیں۔ وہ تو شکر ہے کہ بعض ساتھی عرفات سے چلتے وقت پانی کی دو تین بوتلیں لے آئے تھے اسی قلیل پانی سے وضو کیا گیا اور مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کی گئیں۔ نمازوں کی ادائیگی کے بعد رمی جمرات کے لیے کنکریاں چنی گئیں۔ فوراً ہی حکم ملا کہ بس میں بیٹھ جائیں اب منیٰ چلنا ہے۔ اگر ابھی نہیں گئے تو کل پہنچ نہیں پائیں گے۔ جبکہ دسویں ذی الحجہ کو منیٰ کی وادی میں پہنچنا اور بڑے شیطان کو کنکری مارنی ہوتی ہے۔ ہم پھر چل پڑے۔ مگر چل کہاں رہے ہیں، رینگ رہے ہیں اور صبح چھ بجے اصل مزدلفہ پہنچے۔ یہاں فجر کی نماز ادا کی اور پھر بس میں سوار ہوگئے۔ ہماری بس میں مولانا سیّد احمد بخاری بھی ہیں۔ ان کے

موبائل پر کسی نے فون کر کے صدام حسین کی پھانسی کی اطلاع دی۔

مزدلفہ یعنی یک شبی قیام

مزدلفہ منیٰ اور عرفات کے درمیان ایک وسیع وعریض میدان ہے جو پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ یہ میدان اس عالمی اسلامی کانفرنس (حج) کے لیے آنے والے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے ایک شبینہ کیمپ کا کام دیتا ہے۔ عرفات کی مانند یہاں خیمے نہیں ہیں۔ غسل خانے وغیرہ بھی کم ہی ہیں۔ کھلے آسمان کے نیچے پوری رات بسر کرنی ہوتی ہے۔ یہاں عبادت بھی کی جاتی ہے اور رات میں قیام کر کے دن بھر کی درماندگی سے سکون حاصل کیا جاتا ہے۔ یہاں قیام اللیل میں ایک مصلحت رکھی گئی ہے۔ میدان عرفات سے واپسی پر اگر سارے حجاج سیدھے منیٰ جائیں تو دن بھر کا طویل سفر اور موسم کا نشیب وفراز ان کو اس لائق نہیں چھوڑے گا کہ وہ خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کر سکیں۔ اس سے حجاج کا ذوق وشوق کمزور پڑ سکتا تھا۔ لہٰذا یہاں رات میں قیام کر کے تازہ دم ہوا جاتا ہے۔ ذرا سوچئے؟ صبح کو منیٰ کے خیموں سے روانہ ہونا، دن ڈھلے عرفات پہنچنا، ظہر اور عصر کی نمازیں یکجا پڑھنا، مغرب بعد عرفات سے پھر مزدلفہ اور منیٰ کے لیے روانہ ہونا۔ کتنا تھکا دینے اور ہراساں کرنے والا شیڈول ہے۔ اسی لیے رات میں یہاں آرام کیا جاتا ہے کیونکہ ۱۰ ذی الحجہ کو واپس منیٰ پہنچنا اور رمی کرنی ہے۔ اسی لیے اس شبینہ کیمپ کا انتظام کیا گیا ہے۔ تمام حجاج عبادت اور آرام کرنے کے بعد نماز فجر ادا کر کے منیٰ کے لیے نکلتے ہیں۔ البتہ بچوں، عورتوں اور ضعیفوں کو فجر سے پہلے نکل جانے کی اجازت ہے۔ اسی میدان میں مسجد مشعر حرام ہے جو عبادتِ ربانی کا ایک خاص مقام ہے۔ طلوعِ فجر کے بعد یہاں تھوڑی سی عبادت حجاج کے درجات میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ اسی بات کو یاد دلانے کے لیے قرآن نے یوں رہنمائی فرمائی ہے۔

''تم جب عرفات سے چلو تو مشعر حرام کے پاس خدا کو یاد کرو اور اس طرح یاد

کرو جس طرح تم کو بتایا گیا اور تم اس سے پہلے حق کی راہ کو بھولے ہوئے تھے"۔

بلاشبہ مزدلفہ کا شبینہ قیام حاجیوں کو تازہ دم کر دیتا ہے اور وہ دوسرے دن کے چار نکاتی پروگرام کو سرانجام دینے کے لیے ازسرِ نو مستعد ہو جاتے ہیں۔

۱۰/ذی الحجہ کا وہ چار نکاتی پروگرام یہ ہے:

۱۔ جمرات پر کنکریاں مارنا۔

۲۔ قربانی کرنا۔

۳۔ حلق کروانا۔

۴۔ بیت اللہ شریف کا طوافِ افاضہ کرنا۔

یہ سارے کام مشقت کے ہیں جو ایک ہی دن میں جمع ہو کر آتے ہیں اور اگر مزدلفہ کے قیام کی سہولت نہ ہوتی تو تکان بہت بڑھ جاتی اور اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں خلل پڑتا۔

وادیوں اور میدانوں میں رہائشی انتظامات کی درجہ بندی کی جائے تو پہلے منیٰ پھر عرفات اور آخر میں مزدلفہ کا نام آئے گا۔ منیٰ میں کئی روز کا قیام ہوتا ہے لہٰذا وہاں اب مستقل اور فائر پروف خیمے نصب ہو گئے ہیں۔ وقوف عرفہ ایک لازمی رکن ہے لہٰذا وہاں بھی خیمے اور دیگر سہولتیں موجود ہیں۔ لیکن مزدلفہ میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہاں کا معاملہ یہ ہے کہ "آگے بڑھیں گے ذرا دم لے کر" صرف تازہ دم ہونے کے لیے رات گزاری جاتی ہے۔ لہٰذا یہاں سب کچھ عارضی ہوتا ہے۔ کسی کو بیٹھنے اور لیٹنے کی جگہ مل گئی تو ٹھیک، ورنہ ہم نے ایسے بھی ہزاروں لوگوں کو دیکھا جو کھڑے ہیں۔ بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے۔ بعض مقامات پر تو یوں لگا کہ جیسے انسانوں کا کوئی ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے اور انسان نما موجیں اس سمندر کو مزید ہیبت ناک بنا رہی ہیں۔ مسجد مشعر حرام کے دامن میں سڑک کے کنارے ایک مختصر سی خالی جگہ دیکھ کر جہاں چند افراد بمشکل نماز ادا کر سکتے تھے، ڈرائیور نے بس روکی اور ہم لوگ نماز کے لیے نیچے اترے۔ نہ تو کہیں پانی کا انتظام نہ ہی دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کا۔ جب پانی کی

دستیابی کا امکان نظر نہیں آیا تو ہم چند لوگوں نے اس پتھریلی زمین پر کسی طرح تیمّم کیا اور فجر کی نماز ادا کی۔ اس وقت صبح کے ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ دس پندرہ منٹ کے وقفے سے بس پھر چل پڑی۔ مگر وہی چیونٹی کی چال۔

وادئ محسِّر یعنی فنا گاہ ابرہہ

مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادئ محسِّر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ وادئ محسِّر سے تیز تیز قدموں سے گزر جاؤ۔ لہٰذا حاجی یہاں اپنی رفتار بڑھا دیتے ہیں۔ دراصل یہی وہ جگہ ہے جہاں یمن کے بادشاہ ابرہہ کا لشکر تباہ ہوا تھا۔ یہ دراصل فنا گاہ ابرہہ ہے۔ یہاں ابابیلوں نے ابرہہ کے ۶۰ ہزار کے لشکر پر کنکریوں کا ایٹم بم برسایا تھا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اللہ کے گھر کا یہ دشمنِ عظیم نیست و نابود ہوا تھا جس سال یہ واقعہ پیش آیا اسے عام الفیل اور اس واقعہ کو اصحاب فیل کا واقعہ کہتے ہیں۔ یہ واقعہ قیامت تک ایک عبرت ناک واقعہ بن کر رہ گیا ہے۔ ابرہہ ایک انتہائی طاقتور بادشاہ تھا اور چاہتا تھا کہ لوگ خانۂ کعبہ کا طواف کرنے کے بجائے صنعاء میں اس کے تعمیر کردہ گرجا گھر کا طواف کریں۔ لیکن اس کی یہ خواہش کبھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی۔ لہٰذا ”نہ رہے بانس نہ بجے بانسری“ کے مصداق اس نے بیت اللہ شریف کو ڈھانے کا ناپاک فیصلہ کر لیا اور ۶۰ ہزار کا انتہائی طاقتور لشکر لے کر چل پڑا۔ اسے کیا خبر تھی کہ وہ کعبہ شریف کو ڈھانے نہیں بلکہ اپنی موت کو گلے لگانے جا رہا ہے۔ اگر اس کو اس کا ذرا بھی اندازہ ہوتا تو شاید وہ اپنی زندگی کی یہ سب سے بھیانک غلطی نہ کرتا اور عبرتناک انجام کو نہ پہنچتا۔ لیکن طاقت کے نشہ و غرور نے اس کو کچھ اور سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی اور وہ متکبرانہ انداز میں چل پڑا۔ مکہ سے چار چھ میل قبل جب وہ اس وادی کے قریب پہنچا اور اہل مکہ کو اس کی خبر ہوئی تو بیشتر لوگ اپنے گھروں کو خیرباد کہہ کر پہاڑوں کے دامن میں پناہ لینے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس وقت رسول اکرم کے دادا عبدالمطلب کعبہ کے متولی تھے۔ وہاں ان کے اور ابرہہ کے مابین جو مکالمہ ہوا وہ تاریخ

کا ایک یادگار مکالمہ بن گیا۔ عبدالمطلب کو یہ اندازہ تھا کہ وہ اور اہل مکہ ابرہہ کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو کعبہ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی۔ ان کا یہ یقین کامل کہ ابرہہ کعبہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ خود اپنے گھر کی حفاظت کرے گا، ان کو ابرہہ کے پاس لے گیا۔ ابرہہ نے سمجھا کہ وہ اس سے درخواست کرنے آئے ہیں کہ وہ کعبہ پر چڑھائی نہ کرے۔ اس نے عبدالمطلب کو انتہائی عزت کے ساتھ بٹھایا اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ عبدالمطلب کا جواب سن کر وہ حواس باختہ ہو گیا اور وہ جو عبدالمطلب کی بے حد عزت کر رہا تھا ان کو حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ ''آپ کے لشکریوں نے میرے جو اونٹ پکڑ لئے ہیں وہ واپس کر دیے جائیں''۔ ابرہہ حیران و پریشان کہ یہ کعبہ کا کیسا متولی ہے جو کعبہ کی فکر کرنے کے بجائے اپنے اونٹوں کی فکر کر رہا ہے اور انھیں آزاد کرانا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو آپ کو دیکھ کر آپ کی شجاعت سے بے حد متاثر ہوا تھا لیکن آپ کا یہ مطالبہ سن کر تو میری نظر میں آپ کی وقعت گر گئی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں تو اس گھر کو ڈھانے آیا ہوں جو آپ کے آبائی دین کا مرجع ہے اور آپ نے اس کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا:

''جناب میں صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انہی کی واپسی کے لیے آپ سے درخواست کر رہا ہوں جہاں تک اس گھر کا تعلق ہے تو اس کا مالک تو خود اللہ تعالیٰ ہے وہ خود ہی اپنے گھر کی حفاظت کرے گا''۔

''تو پھر وہ اسے مجھ سے بچا نہیں سکے گا''۔ ابرہہ نے پورے غرور کے ساتھ کہا۔

''ٹھیک ہے، آپ جانیں اور وہ جانے''۔ عبدالمطلب نے جواب دیا اور اپنے اونٹ لے کر واپس چلے آئے۔

واپس آ کر عبدالمطلب نے ساری بستی میں منادی کرا دی کہ لوگ اپنی اپنی حفاظت کے لیے گھروں سے پہاڑوں کی پناہ گاہوں میں چلے جائیں اور پھر خود بیت اللہ شریف میں سردارانِ قریش کے ساتھ آئے اور کعبۃ اللہ کے دروازے کا کنڈا پکڑ

کر رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں۔ اگرچہ اس وقت ۳۶۰ بت کعبہ میں موجود تھے، لیکن اس ہنگامی صورت حال میں وہ ان سب نام نہاد شفاعتیوں کو بھول گئے اور صرف اللہ رب العالمین سے ہی اپنی دعائیں کیں۔ انھوں نے کہا۔

''خدایا ـــــ ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما، اے میرے رب، تیرے سوا میں ان کے مقابلے میں کسی سے امید نہیں رکھتا۔ اے میرے رب، ان سے اپنے حرم کی حفاظت کر۔ اے مالک، اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ اپنی بستی کی ان سے حفاظت فرما''۔

اور پھر ابرہہ تباہ ہوگیا

دعائیں کر کے عبدالمطلب اور دوسرے سردارانِ قریش بھی پہاڑوں میں چلے گئے اور دوسرے روز ابرہہ کی فوج نے مکہ کی طرف کوچ کیا۔ جب وہ وادیٔ محسّر میں پہنچے تو ابرہہ کا خاص ہاتھی محمود آگے بڑھنے سے رُک گیا اور پھر یکا یک بیٹھ گیا۔ اس کی بہت کچھ پٹائی ہوئی۔ بہت انکش مارے گئے۔ وہ زخمی بھی ہوگیا۔ لیکن اپنی جگہ سے آگے نہ ہلا ،کعبہ کی طرف چلنے کے لیے وہ بالکل تیار نہ تھا۔ اس کے پیچھے سارا لشکر رُکا ہوا تھا۔

پھر اسی کش مکش میں پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ فضائے آسمانی میں نمودار ہوئے۔ ان کی چونچوں اور پنجوں میں چھوٹے چھوٹے سنگریزے تھے۔ اور انھوں نے ان سنگریزوں کی ابرہہ کے لشکر پر بارش شروع کردی۔ جس پر بھی وہ کنکر گرتا اس کا جسم گلنا شروع ہوجاتا، کھجلی ہوتی، کھجاتے کھجاتے جلد پھٹ جاتی ۔ خون بہنے لگتا گوشت اور خون پانی کی طرح بہتے اور جھڑتے۔ پیپ اور لہو جسم سے بہہ رہا تھا۔

لشکر پر سخت خوف طاری ہوگیا اور لوگ واپس بھاگنے لگے لیکن وہ بھاگ کر کہاں جاسکتے تھے، ان کا تعاقب خود خدا کر رہا تھا۔ اس طرح وہ لشکر افراتفری کی حالت میں تباہ و برباد ہوگیا اور بس اصحابِ فیل کا عبرت ناک قصہ ہی زبان زدِ عوام رہ گیا۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر جب مزدلفہ سے منیٰ

کی طرف چلے تو محسّر کی وادی میں آپؐ نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ آپؐ نے فرمایا کہ مزدلفہ میں ٹھہرو لیکن محسر کی وادی میں نہ ٹھہرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد قریش نے دس سال تک اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کی۔ وہ جانتے تھے کہ بیت اللہ کو بچانے میں کسی دیوی دیوتا کا ہاتھ نہ تھا صرف قدرت خداوندی کا ہی کرشمہ تھا۔ یہ وادیٔ محسر اس عبرتناک واقعہ کی یاد تازہ کرتی ہے۔

عرفات سے منیٰ تک کی مسافت بمشکل دس بارہ کلومیٹر ہے مگر ہم لوگ اگلے روز ۱۰؍ذی الحجہ یعنی ۳۰؍دسمبر کو دن میں ساڑھے گیارہ بجے منیٰ پہنچے۔

سفید خیموں کا عظیم الشان شہر

حدودِ منیٰ میں داخل ہوئے تو سفید خیموں کا ایک عظیم الشان شہر ہمارے استقبال کو موجود تھا۔ ملک عبدالعزیز کبری سے جو ہم نے دیکھا تو تاحد نظر خیمے ہی خیمے نظر آئے۔ دوسری طرف رمی کرنے جا رہے حاجیوں کا ایک دلفریب سیلاب ہے۔ یہ دونوں مناظر ایسے سحر انگیز اور ہوش ربا ہیں کہ دنیا میں نہ تو اور کہیں ایسے مناظر نظر آئیں گے اور نہ ہی ایسا جوش و ولولہ۔ ملک عبدالعزیز کبری کے پاس پہنچنے سے قبل جب بس جام میں پھنسی ہوئی تھی تو مولانا سیّد احمد بخاری اور دیگر ساتھیوں نے اس بس کے ذمہ دار سے کہا کہ اگر وہ اجازت دے تو ہم لوگ جا کر رمی کر آئیں۔ واپسی میں خیمہ تلاش کر کے آجائیں گے۔ مگر اس نے اجازت نہیں دی اور کہا کہ وہ اپنی ذمہ داری پر جاسکتے ہیں۔ اس وقت اس پر لوگوں کو بڑا غصہ آیا مگر بعد میں احساس ہوا کہ اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ورنہ رمی کرنے کے لیے راستہ تو مل جاتا مگر خیمہ کی تلاش میں پورے دن کی خبر لاتے۔ بس سے اتر کر کافی دیر تک اس انسانی سمندر میں ہچکولے کھاتی موجوں کی مانند ہم لوگ پیدل چلتے رہے۔ ایک نوجوان جو بس سے اترا تھا ہماری قیادت کر رہا تھا۔ اس نے ایک گٹھر سر کے اوپر اٹھا رکھا تھا۔ اس وسیع و عریض

ہجوم میں وہ معمولی گٹھر ہمارے لیے نشانِ راہِ منزل تھا۔ ہم لوگ اس نوجوان پر نہیں بلکہ اس گٹھر پر نظریں جمائے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ نوجوان اس تلاطم خیز سمندر میں ہمارا ناخدا تھا۔ اگر کسی نے اس ناخدا کو کھو دیا تو سمجھو اپنے آپ کو کھو دیا۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی اور وہ رمی کے لیے جا رہے ہزاروں افراد کے مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور ہم لوگ راستہ بنا بنا کر اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں صرف ایک چھوٹا سا گٹھر تھا اور ہم لوگ اپنے تمام ساز وسامان کے ساتھ تھے۔ بازو شل ہو گئے تھے اور کندھے کٹے جا رہے تھے۔ تقریباً نصف گھنٹے کے اس تکلیف دہ سفر کے بعد ہم لوگ پندرہ نمبر خیمے میں داخل ہوئے جہاں ضیوف خادم حرمین شریفین کے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ بس سے خیمے تک کے اس سفر میں ایسی افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم تھا کہ کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔ سب کو صرف اپنے وجود کی فکر تھی اور صرف یہ خیال حاوی تھا کہ وہ کہیں گم نہ ہو جائے۔ اس افراتفری اور نفسا نفسی کے عالم میں اس وقت ہم وہاں کے سحر انگیز نظاروں سے لطف اندوز ہونے سے قاصر رہے۔ نہ تو ہم یہ دیکھ سکے کہ پہاڑی ڈھلانوں اور میدانوں میں قائم لاکھوں کی تعداد میں سفید خیمے وادیٔ منیٰ کے حسن کو کس طرح دوبالا کر رہے ہیں اور نہ ہی یہ دیکھ سکے کہ یہاں تعمیر کیے جانے والے متعدد فلائی اوورں اور سیاہ چکنی سڑکوں میں کیسا جادو ہے۔ نہ یہ دیکھ سکے کہ اللہ کے بندوں کی آنکھوں میں اس کی کبریائی اور بزرگی کے اظہار کا کیسا شوخ رنگ مچل رہا ہے۔ نہ یہ دیکھ سکے کہ شیطان کو کنکری مارنے کی نیت سے جانے والے حجاج آج اس کو شکست فاش دینے پر کس طرح کمر بستہ ہیں اور نہ ہی یہ دیکھ سکے کہ شیطان سے حضرت اسمٰعیل کو روکنے کا بدلہ لے کر واپس لوٹ رہے حاجیوں کے چہروں پر فتح وکامرانی کی کیسی چمک نمایاں ہے۔ ہمیں خیال تھا تو صرف اپنا اور فکر تھی تو صرف خیموں میں داخل ہونے کی۔ لیکن سب لوگ اس نوجوان رہبر کے قدم سے قدم نہیں ملا سکے اور گم کردہ راہ ہو گئے۔ خیموں میں اپنا اثاثہ رکھنے کے دس پانچ منٹ کے بعد جب یہ احساس ہوا کہ ہمارے ایک بہت ہی محترم ساتھی مولانا

عطاء اللہ امینی ابھی تک نہیں آئے ہیں تو تشویش ہوئی۔ خالد انور نے اپنے موبائل سے ان کو فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ راستہ بھٹک گئے ہیں۔ انھوں نے راستہ سمجھایا مگر پھر پانچ سات منٹ تک ان کا پتہ نہیں چلا۔ ہم دوڑ کر گیٹ پر گئے اور پہریدار سے اجازت لے کر باہر نکل گئے۔ کچھ دیر تک انتظار کے بعد بھی وہ نہیں آئے تو پھر ہم اور خالد انور اپنے خیمے کے لیے نشانی کا تعین کر کے ایک دم باہر سڑک پر نکل گئے اور کچھ دور تک گئے تو دیکھا کہ مولانا نمناک آنکھوں سے ہاتھوں میں کندھوں پر اور سر پر اپنا سامان لادے آرہے ہیں۔ میں نے فوراً ان کے ہاتھ سے ان کی بڑی اٹیچی لینے کی کوشش کی مگر انھوں نے اظہار برہمی کے ساتھ ہاتھ کھینچ لیے۔ کافی منت سماجت اور معذرت کے ساتھ جب انھیں بتایا کہ ہم لوگوں کے بھی کندھے چھل اٹھے ہیں اور اگر ہم تیز قدموں سے نہ آتے تو ہم بھی کھو جاتے، تب کہیں جا کر انھوں نے اپنی اٹیچی دی۔ اس طرح خدا خدا کر کے ان کو خیمے کے اندر لایا گیا۔ اسی روز دن میں ڈھائی بجے ہم تین لوگ میں، مولانا عطاء اللہ امینی اور عطاء اللہ انور بڑے شیطان کو کنکر مارنے نکلے۔ رمی کرنے کے بعد ہم لوگوں نے حلق کروایا۔ وہاں حجاموں کی عارضی دُکانیں تھیں۔ دُکانیں کیا تھیں ایک ایک کرسی رکھ کر لائن سے حجام موجود تھے اور ہر کرسی کے سامنے دسیوں لوگوں کی قطار۔ ایک چھوٹی قطار میں جہاں زبردست دھینگا مشتی مگر سلیقے کے ساتھ مچی ہوئی تھی، ہم بھی کھڑے ہو گئے اور حلق کروایا۔ وہاں سے نکلے تو مسجد خیف کے پاس آئے۔ مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی۔ مسجد خیف انتہائی وسیع اور شاندار مسجد ہے۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہے۔ یہ مسجد وادیٔ منیٰ کے آخری سرے پر اور خانۂ کعبہ کی جانب جانے والے راستے کے کنارے واقع ہے۔ اس کے طویل مینار اس کی خوبصورتی کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ اس کا طول و عرض ۲۵ ہزار مربع میٹر سے زیادہ ہے۔ اس کے اندر روشنی، پنکھوں، ایئر کنڈیشنڈ وضو خانہ کی جگہ اور حوائج ضروریہ کا بہت اچھا انتظام ہے۔ اس میں بیک وقت ۲۵ ہزار سے زائد افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔

منیٰ میں انتہائی سرد ہوائیں چل رہی ہیں۔ سابق چیف جسٹس اے ایم احمدی کا بستر اتفاق سے میرے برابر میں ہے وہ خوب دلچسپ باتیں کرتے ہیں۔ دسویں سے بارہویں ذی الحجہ یعنی یکم جنوری ۲۰۰۷ء تک ہم لوگ ایک ساتھ رہے اور اس درمیان ان سے بہت کچھ سیکھنے اور ان کے بارے میں بہت کچھ جاننے کا موقع ملا۔ جسٹس احمدی بہت لطیف پیرائے میں گفتگو کرتے ہیں۔ کسی بات پر ان کو اعتراض ہے تو بہت سلیقہ کے ساتھ اور اشاروں کنایوں میں اپنا اعتراض درج کرتے ہیں۔

یہاں شدت کے ساتھ یہ احساس ہوا کہ اللہ کے دربار میں سب برابر ہیں نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ کسی ملک کے چیف جسٹس کی بھی وہی حیثیت ہے جو ایک مزدور کی ہے۔ مزدور بھی صرف دو سفید چادروں میں ملبوس ہے اور بڑے بڑے امراء، وزراء و بادشاہ بھی۔ اللہ نے یہاں انسانوں کو ان کی اوقات بتادی ہے اور یہ جتا دیا ہے کہ دنیاوی شان وشوکت اور جاہ جلال کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کوئی اس پر نہ اترائے کہ وہ بہت بڑا مالدار اور بڑے جاہ ومنصب والا ہے۔ آج اس وادیٔ منیٰ میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں سب ایک مشتِ خاک کے برابر ہیں۔

حجاج کے وفد سے شاہ عبداللہ کی ملاقات

سعودی عرب کے موجودہ فرماں روا خادم حرمین شاہ عبداللہ نے سابقہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے امسال بھی حجاج کے وفد کو شرف باریابی بخشا۔ سعودی حکومت کی جانب سے پوری دنیا سے ایک ہزار حاجیوں کو ضیوف خادم حرمین شریفین کی حیثیت سے بلایا گیا ہے لہٰذا ان سے سعودی فرماں روا کو ملاقات کرنی ہے۔ منتظمین نے یہ طریقہ نکالا کہ ہر ملک کے وفد سے دو دو ارکان کو منتخب کیا گیا اور اس طرح ایک بڑا وفد بن گیا۔ ہندوستان سے سابق چیف جسٹس اے۔ ایم۔ احمدی اور سابق ممبر پارلیمنٹ وسیم احمد کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔ اس نمائندہ وفد سے شاہ عبداللہ نے ملاقات کی اور پوری دنیا کو امن وآشتی کا پیغام دیا۔

○○

ہماری منزل خانہ کعبہ

۱۱رذی الحجہ یعنی ۳۱ردسمبر ۲۰۰۶ء کوصبح سات بجے خیمے سے نکلے۔ہماری منزل خانہ کعبہ ہے۔ساتھ میں تین نوجوان عبدالمنان ،محمد نسیم اور حبیب الرحمٰن بھی ہیں جو ہمارے وطن کے ہیں اور یہیں ملازمت کرتے ہیں ۔ یہ بھی حج کررہے ہیں ۔ ہم لوگوں نے رات ہی میں ایک ساتھ خانۂ کعبہ جانے کا پلان بنالیا تھا۔مسجد حرام سے پہلے کافی طویل سرنگ پڑتی ہے جس میں کم از کم پندرہ بیس منٹ تک پیدل چلنا پڑتا ہے۔سرنگ آنے سے قبل ہم لوگوں نے سڑک کے کنارے بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ خلقت اُمڈی پڑرہی ہے۔لاکھوں افراد پیدل چل رہے ہیں۔ہم بھی چل پڑے۔ نظریں اس عمارت کوتلاش کررہی ہیں جس کا دیدار کرنے کا شوق ہر مسلمان کے دل میں ہے۔مسجد حرام کولے جانے والا راستہ اور گناہوں کے دلدل میں دھنسے ہوئے ہمارے قدم ۔ جوں جوں منزل قریب آرہی ہے،ہمارے دلوں کی کیفیت عجیب ہورہی ہے۔ہمارے ہمسفر تینوں نوجوان عمرہ کرچکے ہیں۔ان کی رہنمائی میں ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔انھوں نے بتایا کہ سرنگ سے نکلتے ہی ہماری منزل آجائے گی۔ جوش وجذبات نے پورے وجود کواپنی آغوش میں لے لیا ہے۔دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہے۔کہاں دنیا کی سب سے قدیم اور متبرک عبادت گاہ جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی اور کہاں یہ خاکسار۔ دل میں ایک ہیجان برپا ہے اورلب پر دعائیں ہیں۔ہم سرنگ سے باہر آگئے اور ہمیں بتایا گیا کہ وہ سامنے مسجد حرام ہے۔ یہ صفا اور مروہ کی سمت ہے۔ہم اس کے دامن میں پہنچ گئے ۔ وضو

پہلے ہی کرلیا تھا اب ایک گلاس آب زمزم پیا۔ وہ آب زمزم جس میں جانے کتنی خوبیاں ہیں اور اسے جس نیت سے پیا جائے ویسی شفاء ملتی ہے۔ مسجد کے صحن میں داخل ہو گئے۔ شوق دیدار کعبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ کافی دیر تک کعبہ نظر نہیں آیا۔ صبر و تحمل کا دامن چھوٹ گیا۔ میں نے ساتھیوں سے پوچھ ہی لیا کہ کعبہ کہاں ہے۔ بتایا گیا کہ بالکل اندر ہے۔ آیئے پہلے دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں پھر اندر چلیں گے۔ بعد نماز اندر کی طرف چل پڑے۔ نگاہیں اس عمارت کو تلاش کر رہی ہیں جو دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے مرکز عقیدت ہے۔ جو ایک سادہ سی عمارت ہے مگر جس پر تمام قسم کے فنون تعمیرات قربان ہیں۔ انہی خیالات کے ہجوم میں آگے بڑھتے رہے اور مطاف کی طرف جانے والے زینوں پر پہنچ گئے۔ اچانک سیاہ غلاف میں لپٹا ہوا خانہ کعبہ سامنے آ گیا۔ نظریں اس پر ٹکی کی ٹکی رہ گئیں۔ قدم منجمد ہو گئے۔ ذہن و دماغ جیسے مسحور بلکہ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی جو دعاء مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ ہم بھی کئی دعائیں سوچ کر آئے تھے مگر سب زینت طاق نسیاں ہو گئیں۔ شعور لاشعور بن چکا ہے۔ کیا مانگا جائے کیا نہ مانگا جائے کچھ یاد نہیں۔ کچھ دیر کے بعد ساتھیوں نے کہا کہ کیا ہو گیا نیچے چلیے۔ اب جا کر ہوش آیا۔ ہم نے کہا کہ ذرا اور رکو جی بھر کر دیدار کر لینے دو۔ تھوڑی دیر کے بعد مطاف میں پہنچے، طواف کیا اور ظہر کی نماز کے بعد سعی کی۔ طواف میں اگر بھیڑ نہیں ہے تو آدھے پون گھنٹے میں ساتوں چکر مکمل ہو جاتے ہیں اور سعی میں تقریباً ایک گھنٹہ لگتا ہے۔ مگر آج اس قدر ہجوم ہے کہ خود سے آگے بڑھنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ بھیڑ خود دھکے دے کر آدمی کو آگے پیچھے اور دائیں بائیں کر رہی ہے۔ آدمی ہچکولے کھاتا رہ جاتا ہے۔

انجان اور انوکھی کیفیات سے واسطہ

ایام حج میں ایسے متعدد مقامات آتے ہیں جب انسان اپنی ہستی کو فراموش کر دیتا ہے۔ جب وہ طوفانی موجوں کے دامنِ بلاخیز میں محض ایک تنکہ رہ جاتا

ہے۔ان لمحات میں اس پر ایسی کیفیات طاری ہوتی ہیں جو نا قابل بیان ہیں۔جن کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔یہ کیفیات وادیٔ منیٰ میں بھی طاری ہوتی ہیں، میدانِ عرفات میں بھی طاری ہوتی ہیں، مزدلفہ میں بھی طاری ہوتی ہیں، رمی کے وقت بھی طاری ہوتی ہیں اور مسجد حرام میں طواف سے پہلے اور طواف کے بعد بھی طاری ہوتی ہیں۔سب سے عجیب اور انوکھی کیفیات سے واسطہ مسجد حرام میں پڑتا ہے۔خانۂ کعبہ یعنی سیاہ غلاف میں لپٹی ہوئی ایک سادہ سی اور چھوٹی سی عمارت، اس کے چاروں طرف سفید سنگ مرمر سے مزّین مطاف کا علاقہ، مطاف کے چاروں طرف خوبصورت اور مسحور کن دالانیں، ان دالانوں کی چھتوں سے لٹکتے ہوئے دلوں کو موہ لینے والے اسلامی آرٹ کے شاندار فانوس، جگہ جگہ عبادت اور تلاوت قرآن میں مصروف حجاج، دالانوں کے سرے پر زینے اور اسکلیٹرس جو حجاج کو مطاف میں اور چھت پر جانے میں انتہائی مددگار ہیں، دالانوں کے باہر چاروں طرف وسیع صحن اور صحن میں لاتعداد حجاج، جن میں بعض عبادت میں مصروف ہیں تو بعض لیٹے بیٹھے ہیں۔نماز کے وقت ایک عجیب سی مگر پُر وقار ہلچل مچ جاتی ہے۔ایسا لگتا ہے کہ اذان صرف مسجد کے میناروں سے نہیں بلکہ ذرّے ذرّے سے سنائی دے رہی ہے۔ایسا معیاری ساؤنڈ سسٹم کہ یوں لگتا ہے کہ ہمارے پاس ہی کھڑے ہو کر مؤذن اذان دے رہا ہے۔اذان سے بہت پہلے ہی صف بندی شروع ہو جاتی ہے۔مطاف میں بھی صف بندی ہو جاتی ہے اور دالانوں اور صحنوں میں بھی۔البتہ خانۂ کعبہ سے متصل علاقے میں طواف کا عمل مسلسل چلتا رہتا ہے۔نماز کے لیے تکبیرات شروع ہوئیں کہ طواف کرنے والے بھی انتہائی باوقار انداز میں صف بندی کر لیتے ہیں نماز ادا کرتے ہیں اور سلام پھیرنے کے ساتھ ہی پھر طواف کا سلسلہ چل پڑتا ہے۔

ہم نے ۱۱ رذی الحجہ کو طواف حج کیا۔مگر اس روز بھی حجاج کا زبردست ہجوم ہے۔ہمارے تینوں ساتھیوں نے کہا کہ کعبہ شریف کے قریب سے طواف کریں گے تاکہ کم وقت میں ساتوں شیوط مکمل ہو جائیں۔یہ تدبیر اچھی لگی اور ہم بھیڑ میں گھس

گئے۔ اس بھیڑ میں گھسنے کا بھی ایک فن ہے۔ اگر آپ سیدھے اور براہِ راست خانۂ کعبہ تک جانا چاہیں تو نہیں جاسکتے۔ طواف کی ترتیب کے بگڑ جانے کا دھڑکہ اور لوگوں کی خشمگیں نگاہوں کے تیر کا خدشہ۔ حجر اسود اور باب کعبہ کے سامنے لگی ہوئی عنابی روشنی سے شوط شروع کرتے ہیں اور وہیں آکر ختم کرتے ہیں۔ بھیڑ میں گھسنے اور خانۂ کعبہ تک پہنچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ دھیرے دھیرے اور ترچھے ہوکر آگے چلتے ہوئے خانہ کعبہ کے قریب ہونے کی کوشش کریں۔ آخری چکر میں بھی اسی طرح رفتہ رفتہ باہر نکلا جاتا ہے۔ ہم چاروں نے اس طریقہ کار کو اپنایا مگر پہلا شوط مکمل ہوتے ہوتے اس زبردست ہجوم نے ہمارا حلیہ بگاڑ دیا۔ اپنے جس ساتھی کو ہم نے اپنا قائد بنایا تھا اس کی جیکٹ پکڑے پکڑے اور چاروں طرف کے دھکوں سے خود کو بچاتے ہوئے آگے تو بڑھ گئے مگر جب پہلا چکر مکمل ہوا تو یوں لگا کہ جیسے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا ہے۔ ایسا لگا کہ جیسے ابھی دم نکل جائے گا۔ ہم نے کہا کہ اس طرح طواف نہیں کرپائیں گے۔ اب باہر نکلو۔ اگر بالکل آخر میں جگہ ملے تو ٹھیک ورنہ پہلی منزل پر چل کر طواف کریں گے۔ لہٰذا ہم باہر نکلنے لگے اور نکلتے نکلتے دوسرا شوط پورا ہوگیا۔ بھیڑ کے اندر گھس کر خانۂ کعبہ تک جانے اور وہاں سے باہر نکلنے کا عمل بالکل ایسا ہی ہے جیسے آپ زبردست سمندری طوفان میں گھرے ہوں اور مخالف موجوں کو چیرتے ہوئے ساحل کی طرف جانا ہو۔ خیر باقی پانچ شوط ہم نے پہلی منزل سے پورے کیے۔ لیکن پہلی منزل پر جانا بھی اتنا آسان نہیں ہے۔ اگر خود کو نہ سنبھالا جائے تو چپل کہیں ہوگی اور آپ کہیں ہوں گے۔ اس طرح طواف حج مکمل ہوا۔ کم وبیش یہی کیفیت سعی میں بھی ہوتی ہے۔ طواف میں تو آپ کو اگر مطاف میں جگہ نہیں ملی تو آپ پہلی منزل پر چلے جائیں وہاں بھی جگہ نہ ملے تو چھت پر چلے جائیں۔ لیکن سعی میں وہی اتنی جگہ ہے اور وہیں آپ کو یہ رکن ادا کرنا ہے۔ ہاں آپ وہاں بنی پہلی منزل پر بھی سعی کرسکتے ہیں۔

دنیا و مافیہا سے بے خبر

طواف کے دوران لوگ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ جب ہم پہلے شوط میں خانۂ کعبہ کے قریب پہنچے تو نگاہیں دیوار کعبہ اور سیاہ غلاف پر جا کر ٹک گئیں۔ حالانکہ نیچے دیکھ کر دعائیں پڑھتے ہوئے آگے بڑھنے کا حکم ہے۔ لیکن بیشتر حجاج کی دلی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ وہ خانۂ کعبہ کو آنکھوں کے راستے دل میں اتار لینا چاہتے ہیں تاکہ یہاں سے جانے کے بعد جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی، کے مقولے پر عمل کر سکیں۔ طواف میں لوگ ایک ایسی سیسہ پلائی دیوار کی مانند ہو جاتے ہیں جو ایک پختہ دیوار بھی ہے اور جس کی ہر اینٹ متحرک بھی ہے۔ مرد اور عورت سب ایک دوسرے سے مل کر چلتے ہیں مگر ایک دوسرے سے الگ بھی رہتے ہیں۔ طواف کے دوران دنیاوی خواہشات و احساسات دل میں نہیں آنے چاہئیں۔ لب پر دعائیں ہوں اور دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہو۔ اور یہی کیفیت تقریباً تمام حجاج کی ہوتی ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا بد بخت ہوگا جو دنیاوی خواہشات و احساسات کو ذہن و دماغ میں راہ پانے کی اجازت دیتا ہو۔ یہ احساس سرے سے ناپید ہوتا ہے کہ آپ کے آگے پیچھے یا دائیں بائیں عورتیں بھی چل رہی ہیں۔ مردوں کی زبان پر بھی دعائیں ہیں اور عورتوں کی زبان پر بھی۔ ہم نے ایسے بہت سے حجاج کو دیکھا جن پر خشیتِ الٰہی اس قدر طاری ہے کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، رخسار اور داڑھی تر بتر ہے اور بلند آواز سے دعائیں جاری ہیں۔ ان کے دل میں یہ خیال موجود ہے کہ اب اس کے بعد پتہ نہیں آنا ہو یا نہ آنا ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دیدارِ کعبہ آخری دیدارِ کعبہ ثابت ہو۔ پھر اس مقدس سرزمین کے ذروں کو آنکھوں کا سرمہ بنانے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ اس لیے ایک بھی لمحہ ضائع کرنا گناہ ہے۔ جو لمحات بھی میسر آ رہے ہیں ان کا بھرپور اور بہتر استعمال ہو۔ اور شاید اسی لیے ان پر اللہ تعالیٰ سے قربت کا احساس اس قدر حاوی ہو جاتا ہے کہ وہ اس بھیڑ میں بھی یکہ و تنہا ہو جاتے ہیں۔ ہم خانۂ کعبہ سے جتنے

قریب ہوتے ہیں دنیا سے اتنے ہی دور ہو جاتے ہیں اور اللہ رب العزّت سے قربت کا احساس اتنا ہی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ بھی ہمارے دوش بہ دوش چل رہا ہے اور ہم اس سے سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ قربت کا یہ احساس ہمارے اوپر گریہ وزاری طاری کر دیتا ہے اور ہم مزید رو رو کر اور گڑ گڑا کر دعائیں کرنے اور اللہ سے اپنی بخشش چاہنے لگتے ہیں۔ یہاں اللہ اور بندے کی قربت ایسا کرشمہ دکھاتی ہے کہ عقل انسانی دنگ رہ جائے۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو محروم و نامراد نہیں رکھنا چاہتا۔ اسی لیے وہ اپنی رحمت کا دروازہ یوں کھول دیتا ہے کہ دعاؤں اور شرف قبولیت کے مابین کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ جو بھی دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ اسی لیے بعض نیک بندے یہاں آ کر مُستجاب الدعواۃ ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ جو خیالات و احساسات لے کر بندہ یہاں آتا ہے اسی کے مطابق نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے۔ یعنی اگر کسی نے دوبارہ یہاں آنے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ بلا لیتا ہے۔ اور اگر کوئی یہاں مرنے کی تمنا کرتا ہے تو اس کی موت یا تو وہیں ہو جاتی ہے یا بہت جلد ہو جاتی ہے۔

طواف میں زمرہ بندی

برصغیر سے زیادہ تر معمر لوگ حج پر جاتے ہیں لیکن دوسرے ممالک کے حاجیوں میں نوجوانوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ انڈونیشیا، افغانستان اور بعض دیگر ممالک کے حجاج گروپ بنا کر چلتے ہیں اور وہ ایک ہی یونیفارم میں ملبوس ہوتے ہیں۔ ان کا لیڈر آگے آگے اور وہ اس کے پیچھے پیچھے۔ طواف میں بھی اور سعی میں بھی یہی صورتِ حال ہوتی ہے۔ یہ گروپ اس قدر منظم اور متحد ہوتے ہیں کہ کوئی ان کو چیر کر آگے نہیں جا سکتا۔ اسی کے ساتھ ان کے چہروں پر ایسی آسودگی اور ایسی طمانیت کہ جیسے وہ اس زبردست بھیڑ میں نہیں بلکہ اپنے گھر آنگن میں یا کسی پارک میں چہل قدمی کر رہے ہوں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان پر خشیتِ الٰہی طاری نہیں ہوتی اور وہ قربِ الٰہی کے دلنواز

احساس سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔ وہ بھی ان کیفیات سے دو چار ہوتے ہیں لیکن نظم و ضبط اور صبر و استقلال کا دامن بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ایسے گروپوں میں بعض اوقات مردوں کا گروپ الگ اور عورتوں کا الگ ہوتا ہے اور وہ اپنے قائد پر نظریں جما کر آگے بڑھتے ہیں۔ ایک شخص دعاؤں کی کتاب لیے ہوتا ہے جو دعائیں پڑھتا ہے اور پیچھے والے اس کی نقل کرتے ہیں۔ طواف اور سعی کے لیے جانے سے قبل مسجد کے صحن میں وہ سب یکجا ہوتے ہیں، ایک قطار میں کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے وطن میں جو ٹریننگ لے کر آئے ہوتے ہیں اس کو ایک بار پھر دوہراتے ہیں اور پھر قطار بند ہو کر اندر کی طرف کوچ کرتے ہیں۔ لیکن ایسے منظم اور متحد گروپوں کے باوجود بعض اوقات بڑی بے ترتیبی اور افراتفری پھیل جاتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ کوئی شخص یا کوئی جوڑا یا چند لوگ جو یہاں برتنے والے سلیقے سے لاعلم ہوتے ہیں سیدھے گھسنا شروع کر دیتے ہیں یا شوط مکمل ہونے کے بعد تیر کی طرح باہر نکلنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ نظم و نسق کو بگاڑ دیتے ہیں اور اپنی حرکتوں سے یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ وہ گنواروں کی دنیا سے آئے ہیں۔ بعض کمزور دل کی ایسی عورتیں بھی نظر آئیں جن میں اس بھیڑ کے رُعب و داب کو برداشت کرنے کی ہمت نہیں۔ وہ تقریباً نیم بیہوشی کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور پھر ان کو باہر نکالنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ طواف مکمل کرنے کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے لیکن جب زیادہ بھیڑ ہو تو وہاں نماز کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی ہے لہٰذا اور دور ہو کر اور مقام ابراہیم کو سامنے رکھ کر لوگ دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔

حطیم خانۂ کعبہ کا ایک حصہ ہے جہاں کعبہ شریف کا پرنالہ ہے۔ ایک زمانے میں مالی دشواری کے سبب خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت اتنے حصے کو چھوڑ دیا گیا تھا جو اب D کی شکل کا بنا ہوا ہے۔ اس میں داخل ہونا خانۂ کعبہ میں داخل ہونے کے برابر ہے۔ بہت سے حجاج اس میں داخل ہو کر نماز ادا کرتے اور دعائیں مانگتے ہیں۔ ایک بار جب ہم خانۂ کعبہ کے بالکل قریب ہو گئے تو دیکھا کہ حطیم کے آس پاس زبردست

گہما گہمی ہے۔ لوگ اندر جانے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر وہاں موجود پولیس والے ان کو روک رہے ہیں۔ شاید ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر یہاں لوگوں کو آنے کی اجازت دے دی گئی تو وہ نکلیں گے ہی نہیں۔ اس لیے اس دن لوگوں کو وہاں داخل ہونے سے روکا جا رہا تھا۔ ملتزم کے پاس لوگوں کو دیوار کعبہ سے چمٹے ہوئے دیکھا۔ ان پر رقت طاری ہے اور وہ دیوار سے اپنے جسم کو مس کر کے اور رگڑ رگڑ کر رو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت چاہ رہے ہیں۔ ایسے کئی لوگوں کو دیکھا جو رومال اور مصلے کو غلاف کعبہ سے مس کر رہے ہیں۔

پہلے ہم یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ امام حرم کس مقام سے امامت کرتے ہیں۔ دل میں مختلف طرح کے خیالات آتے کہ وہ خانۂ کعبہ میں کیسے آتے ہوں گے اور اپنی جگہ کیسے پہنچتے ہوں گے۔ لیکن مکہ سے روانگی سے پہلے جب ہم لوگ طواف کو گئے تو یہ عقدہ خود بخود کھل گیا۔ ہمارے ساتھ پروفیسر زبیر فاروقی اور ڈاکٹر حبیب اللہ بھی تھے۔ ہم لوگوں نے ایک شوط مکمل کیا کہ ظہر کا وقت ہو گیا اور ہم بھی خانۂ کعبہ کے بالکل قریب اور حطیم کے نزدیک صف میں بیٹھ گئے۔ دیوارِ کعبہ سے غالباً چوتھی پانچویں صف میں، ہم تھے کہ دیکھا ہمارے پیچھے ہلکی سی ہلچل ہو رہی ہے۔ مڑ کر دیکھا تو چند پولیس والے ایک معزز شخصیت کو اپنے جلو میں لیے ہوئے بہت ہی اطمینان و سکون اور وقار کے ساتھ آ رہے ہیں۔ وہ امام حرم تھے، ہمارے قریب سے گزرے اور حطیم میں پہنچ کر سنت ادا کرنے لگے۔ وقت ہوا تو انہوں نے امامت کی اور ہم لوگوں نے بھی بس تھوڑی سی مسافت پر نماز ادا کی اور سلام پھیرنے کے بعد طواف کرنے لگے۔

یہ کیفیت بھی

نماز کے وقت مسجد حرام کے اطراف میں لوگوں میں عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور ہر کوئی اس کوشش میں رہتا ہے کہ اس کی نماز باجماعت نہ چھوٹنے پائے۔ اذان ہوتے ہی لوگ جوق در جوق مسجد میں چاروں طرف سے آنے لگتے ہیں۔ ایسا

لگتا ہے جیسے لوگ اپنے مرکز کی طرف دوڑ رہے ہیں اور سب کی یہی کوشش ہے کہ وہ مرکزی نقطے کے زیادہ سے زیادہ قریب پہنچ جائیں۔ مسجد حرام کے اطراف میں کسی وقت کی نماز ترک کرنے یا قضاء کرنے کا خیال تک کسی کے دل میں نہیں آتا۔ دُکاندار یا تو اپنی دکانیں بند کر دیتے ہیں یا سامان پر ہلکی سی چادر ڈال دیتے ہیں یا پھر ویسے ہی چھوڑ کر مسجد کی طرف بھاگتے ہیں اور نماز کی ادائیگی کے بعد پھر کاروبار دنیا میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ نہ تو اس کی فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ کوئی شخص سامان چوری کرے گا اور نہ ہی کسی کے دل میں چوری کا خیال ہی آتا ہے۔

مسجد کے صحن کے باہر متعدد افریقی عورتیں کبوتروں کو کھلانے کے لیے دانہ بیچتی ہیں۔ ان سے پیکٹ خرید لیے جائیں تو بہت خوش ہوتی ہیں۔ ایک بار ہم پروفیسر زبیر فاروقی اور ڈاکٹر حبیب اللہ نماز بعد بازار میں ٹہل رہے تھے تو ایک سیاہ فام عورت کبوتروں کے لیے دانے بیچ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر ہم لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ بہت صاف زبان میں اردو میں آواز لگا رہی تھی۔ یہ عورتیں بھی شاید لوگوں کی شکلیں دیکھ کر ان کے وطن کا اندازہ لگا لیتی ہیں۔ اور انہی کی زبان میں آواز لگانے لگتی ہیں۔

اہلِ مکہ کی خانۂ کعبہ سے محبت

مغرب کا وقت ہوتا ہے تو بہت سے مقامی لوگ اور شہر میں ملازمت کرنے والے بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ پہنچ جاتے ہیں اور مغرب وعشا کی نمازیں مسجد حرام میں ادا کر کے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔ بیشتر مقامی لوگوں کا یہ معمول ہے کہ وہ جمعرات کی شام کو پوری فیملی کے ساتھ مسجد حرام جاتے ہیں، رات بھر رہتے ہیں عبادت کرتے ہیں اور جمعہ کو واپس ہوتے ہیں۔ شہر سے باہر جانا ہوا تو خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور جب واپس آتے ہیں تو پھر طواف قدوم کرتے ہیں۔ لوگ بتاتے ہیں کہ اہل مکہ خانۂ کعبہ سے بہت محبت کرتے ہیں اور اس کی جدائی زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کر پاتے۔

ایمان وعمل کی کارگاہ میں کردار سازی

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے ایام حج میں ایسے متعدد مقامات اور لمحات آتے ہیں جب حجاج پر انوکھی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ دراصل حج ایک ایسی عبادت ہے جو ایک مسلمان کی پوری شخصیت کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ بہتوں کی ہستی حسن کارانہ انداز میں تہہ و بالا ہو جاتی ہے اور حج ان کی زندگی کا ایک ایسا حسین اور فیصلہ کن موڑ ثابت ہوتا ہے جو انہیں یہ احساس دلاتا ہے کہ یہ موڑ پہلے کیوں نہیں آیا اور یہ لمحات پہلے کیوں نہیں میسر آئے۔ حج کا پورا عمل دراصل حاجیوں کو ایمان وعمل کی ایک ایسی مقدس کارگاہ میں لے جاتا ہے جہاں سے تپ کر حاجی کندن بن کر نکلتا ہے۔ یہاں ہم اس شخصیت کو خیر باد کہہ دیتے ہیں جو لے کر اپنے وطن سے آئے تھے اور ایک نئی شخصیت اور ایک نیا کردار لے کر اپنے وطن واپس ہوتے ہیں۔ یہاں نہ تو کسی کی بزرگی کام آتی ہے نہ کسی کی امارت، نہ کسی کی بادشاہت کچھ دے سکتی ہے اور نہ ہی سیاسی اثر ورسوخ سے کچھ ملتا ہے۔ یہ پانچ روزہ عمل ایسا عمل ہے جس کے دوران نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا۔ یہاں اللہ کے دربار میں سب برابر ہو جاتے ہیں۔ حج کرنے کے بعد ایک بادشاہ بھی ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے وہ ابھی ابھی اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آیا ہے اور ایک غریب اور کم حیثیت کی بھی یہی حیثیت ہوتی ہے۔ اپنے اخراجات پر اور دنیا جہان کی پریشانیاں اٹھا کر حج کرنے والے حاجی کا قد بھی اتنا ہی بلند ہوتا ہے، جتنا بلند اس حاجی کا ہوتا ہے جو حکومت کے اخراجات پر حج کرتا ہے یا شاہی مہمان کی حیثیت سے بہت سی دشواریوں سے بچ کر ارکان حج ادا کرتا ہے۔ یہ پانچ روزہ عمل ایک مسلمان کی کردار سازی کا ایسا عمل ہوتا ہے جس کا نہ کوئی جوڑ ہے اور نہ جس کی کوئی مثال ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمام حاجی ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ایسے حاجیوں کی بھرمار ہوتی ہے جو ارکان حج کی ادائیگی کے دوران اور مکہ اور مدینہ میں دشواریوں اور پریشانیوں سے خوش ہوتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں اور یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اس سرزمین پر اللہ کے رسولؐ نے کیا کیا مصیبتیں نہیں جھیلی

تھیں۔اس خیال کے ساتھ انہیں فخر کا بھی احساس ہوتا ہے کہ تھوڑی بہت مصیبتیں ان کے حصے میں بھی آئی ہیں۔لیکن بہت سے حجاج ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی پریشانیوں کا رونا رونے لگتے ہیں اور حکومت کے انتظامات میں کوتاہیاں نکال کر شکایتوں کے دفتر کھول دیتے ہیں۔ بالخصوص وہ لوگ جو شاہی مہمان ہوتے ہیں یا اپنی حکومتوں کے وفود میں شامل ہوتے ہیں ذرا ذرا سی پریشانیوں پر بلبلا اٹھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی وہ آؤ بھگت ہو جو کسی ملک کے نمائندے کی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ اس قیمتی وقت کو دنیاوی باتوں میں ضائع کر دیتے ہیں اور عبادت و ریاضت کے بجائے تن آسانی میں مبتلا رہتے ہیں۔کیا ایسے لوگ بھی کردار سازی کے عمل سے گزرتے ہوں گے اور کیا ان کی زندگی کے طور طریقے میں کوئی تبدیلی آتی ہوگی؟

پانچ گھنٹے میں طواف وسعی

ہم نے صبح کے ساڑھے نو بجے طواف افاضہ شروع کیا تھا اور ساتوں چکر میں تقریباً تین پونے تین گھنٹے لگے۔طواف کے بعد ظہر کی نماز ادا کی اور پھر دو پہر کے کھانے کے لیے باہر نکلے۔ بر سبیل تذکرہ یہ بھی بتاتے چلیں کہ مسجد حرام میں حج کے دوران ہر نماز کے بعد کسی نہ کسی کی نمازِ جنازہ بھی ادا کی جاتی ہے۔ہم ظہر کی نماز اور نماز جنازہ ادا کر کے باہر نکلے اور ایک پاکستانی ہوٹل سے کھانا لے کر اور زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا گیا۔اندر بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔ کھانے کے بعد سعی کی جس میں تقریباً دو گھنٹے لگے جبکہ عام دنوں میں یا کم بھیڑ کے دنوں میں ایک گھنٹہ لگتا ہے۔ اتنے میں نماز عصر کا وقت ہو گیا۔عصر بعد ہمارے وطن کے ایک نوجوان مولوی عبدالرؤف جو کہ مکہ میں ملازمت کرتے ہیں مسجد حرام آئے۔ ان سے ملاقات ہوئی ۔وہ بھی حج کر رہے ہیں۔لہٰذا اپنی پوری فیملی کے ساتھ آئے اور مغرب کی نماز ادا کر کے ان سے رخصت لی۔ نمازِ مغرب کے بعد ہم لوگوں نے دیکھا کہ طواف میں بہت کم لوگ ہیں۔ دل و نگاہ میں لالچ پیدا ہوا اور ہم نے ایک اور یعنی نفلی طواف کرنے کا فیصلہ کر

لیا۔ حالانکہ صبح سات بجے کے نکلے تھے اور مغرب کے وقت تک پیدل ہی چلتے رہے۔ بہر حال بے خطر کود پڑا کے مصداق ہم لوگوں کے قدم مطاف کی جانب اٹھ گئے اور ہم نے شوق عبادت الٰہی میں طواف کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت تو لوگوں کی تعداد کم تھی لیکن تھوڑی ہی دیر میں پھر وہی اژدہام ملا جو دن میں دیکھنے کو ملا تھا۔ ساتوں چکر مکمل ہوتے ہوتے عشا کا وقت ہو گیا۔

صفا اور مروہ کے اوپر ایک اور منزل بنادی گئی ہے اور حجاج نیچے اوپر دونوں جگہ سعی کرتے ہیں۔ نیچے یعنی صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان زمین ہموار ہے لیکن وہ دونوں پہاڑیاں اب بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ ان دونوں پہاڑیوں پر کیمیکل لگا دیا گیا ہے تاکہ انسانوں کے قدموں کی رگڑ سے پتھر گھس گھس کر ختم نہ ہو جائیں۔ یعنی حکومت نے ان دونوں پہاڑیوں کو کسی نہ کسی طور پر محفوظ کر رکھا ہے۔

شیطانوں کو کنکری مارنے کا ارادہ

عشا کی نماز ادا کر کے باہر نکلے۔ ارادہ شیطانوں کو کنکری مارنے کا ہے۔ باہر آئے تو ایک نوجوان جوڑا بھی جمرات جانے کے لیے پریشان ہے۔ نوجوان یہ سوچ کر کہ اس کے ساتھ جو خاتون ہے (جو غالباً اس کی بیوی ہے) اسے پریشانی نہ ہو، جمرات جانے والی بس تلاش کر کے ناکام واپس آ گیا۔ اس نے ہم لوگوں سے جمرات جانے کا راستہ پوچھا اور یہ بھی بتایا کہ بس تو مل رہی ہے مگر ڈرائیور کا کہنا ہے کہ زبردست رش ہے اور بس پانچ گھنٹے سے پہلے وہاں نہیں پہنچے گی۔ ہم نے اس کو سرنگ سے جانے والا راستہ بتایا اور خود بھی بس سے جانے کا ارادہ ترک کر کے اسی سرنگ میں داخل ہو گئے۔ اس راستے پر انسانوں کا ایک ہجوم ہے جو طواف کر کے اور نماز ادا کر کے رمی کرنے جا رہا ہے۔ ایک گھنٹہ سے زیادہ چلنے کے بعد ہم جمرات کے مقام پر پہنچ گئے اور چونکہ چھوٹے شیطان سے کنکری مارنے کی شروعات کی جاتی ہے لہٰذا ہم منیٰ کے آخری سرے پر واقع چھوٹے شیطان کے پاس پہنچ گئے۔ کنکریاں سرنگ

سے باہر نکلنے کے بعد ہی چن لی گئی تھیں۔ ہم نے تینوں شیطانوں کو کنکری مار کر ان کی اوقات بتائی اور پھر ضیوف خادم حرمین شریفین کے خیموں کی طرف چل پڑے۔ صبح سات بجے سے پیدل چلتے ہوئے رات کے نو بج چکے ہیں اور ہماری حالت غیر ہو رہی ہے دائیں پاؤں میں بری طرح ورم آ گیا ہے اور پنجے کی ایک ہڈی میں شدید درد ہو رہا ہے۔ اگر عبادت الٰہی کے ذوق وشوق اور شیطان کو کنکری مارنے کے اشتیاق نے سہارا نہ دیا ہوتا تو ہم لوگ دن ہی میں ڈھیر ہو گئے ہوتے۔ لیکن اب بھی پیدل چلے جا رہے ہیں۔ شاید لاتعداد افراد کو پیدل چلتے دیکھ کر بھی ہمارے اندر ہمت آ گئی ہے۔

اور پھر بھٹک گئے

یہاں راستہ ون وے کر دیا گیا ہے۔ ایک طرف سے لوگ آتے ہیں اور رمی کر کے دوسرے راستے سے واپس جاتے ہیں۔ میلوں میں پھیلی ہوئی وادئ منیٰ اور اس وادی میں لاکھوں خیمے۔ چونکہ راستہ ون وے ہے اس لیے ناک کی سیدھ میں کئی کلومیٹر تک چلنے کے بعد راستہ مڑتا ہے۔ جگہ جگہ پولیس کے جوان تعینات ہیں تاکہ کوئی ون وے ٹریفک کا قانون نہ توڑ دے۔ حالانکہ دونوں راستوں کے درمیان تاروں کی قد آدم جالی نصب ہے۔ پھر بھی چپے چپے پر پولیس تعینات ہے۔ ہمارا خیمہ وادئ منیٰ کے سرے ہی پر ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ کی مسافت پر ہے۔ لیکن جب چلتے چلتے نصف گھنٹے سے زائد کا وقفہ ہو گیا تو شبہ ہوا کہ ہم کہیں میلوں کا سفر طے کر کے بہت دور نہ نکل جائیں۔ اتنے میں ایک فلائی اوور آ گیا اور ہمارے ساتھی نے دو تین جگہ پولیس کے جوانوں سے راستہ پوچھا۔ فلائی اوور کے خاتمے پر داہنی طرف کو ایک تنگ سا راستہ نظر آیا۔ ہم لوگ اس پر چل پڑے اور یوٹرن لے کر خیموں اور سڑکوں کو پار کرتے ہوئے جب کافی دور لوٹ آئے تب اپنے خیمے کے آس پاس کی نشانیاں نظر آنے لگیں اور بالآخر دس بجے ہمیں پندرہ نمبر کا وہ خیمہ مل گیا جو ضیوف خادم حرمین کے لیے نصب ہے۔

یوں تو ایک ہزار شاہی مہمانوں کے لیے متعدد خیمے ہیں مگر ہمارا خیمہ اس شاہراہ سے متصل ہے جس سے گزرتے ہوئے لوگ رمی کرنے جاتے ہیں۔ ہم لوگ تین دن اور دو رات اس خیمے میں رہے اور شب و روز کا کوئی بھی ایسا لمحہ نہیں گزرا جب یہ سڑک حجاج سے خالی ہوئی ہو یا حاجی رمی کرنے نہ جا رہے ہوں۔ پورے دن اور پوری رات لوگ چلتے رہے۔ اس بار سعودی حکومت نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں کسی بھی وقت رمی کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ مختلف ملکوں کے لیے مختلف اوقات کا تعین بھی کیا گیا ہے۔ اب بہت سے لوگ اس پر غور کر رہے ہیں کہ کیا رمی صرف دن ڈھلے کے بعد ہی ہو سکتی ہے یا وقت اور حالات کے مطابق چوبیس گھنٹے میں کسی بھی وقت کی جا سکتی ہے۔ ہمارے بعض ساتھی دسویں ذی الحجہ کی دوپہر کو ہی رمی اور طواف افاضہ کے لیے نکل پڑے تھے جو کہ رات میں بارہ ایک بجے لوٹ کر واپس آئے۔ پہلے ہمارا خیال تھا کہ منیٰ سے خانۂ کعبہ نزدیک ہوگا اور یہ کہ رمی اور طواف وسعی میں بہت زیادہ وقت نہیں لگتا ہوگا لیکن جب یہ دیکھا کہ دوپہر میں جانے والے بارہ گھنٹے کے بعد واپس آرہے ہیں تو لمبی مسافت اور ان ارکان کی ادائیگی میں لگنے والے وقت کا اندازہ ہوا اور پھر ہم خود اس تجربے سے گزرے اور بے انتہا پیدل چلنے کی وجہ سے پیر میں جو ورم آیا وہ کئی دنوں تک باقی رہا اور درد تو دہلی پہنچنے کے بعد بھی کئی دنوں تک نہیں گیا۔

رمی جمرات پر خصوصی حفاظتی انتظامات

گزشتہ برسوں میں حج کے دوران اکثر و بیشتر حادثات پیش آتے رہے ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں وادئ منیٰ میں بھیانک آگ لگ گئی تھی جس میں متعدد حاجی جاں بحق ہو گئے تھے۔ اس جانکاہ حادثہ کے بعد حکومت سعودی عرب نے منیٰ میں فائر پروف خیمے نصب کر دیے ہیں تاکہ آگ لگنے کا خطرہ ہی ختم ہو جائے۔ یہ خیمے پرمانٹ بنیادوں پر ہیں اور ہر خیمے کی چوٹی پر ایک بڑا کولر فٹ کر دیا گیا ہے جو اے سی کا کام

دیتا ہے۔ منیٰ کے علاوہ رمی کے وقت بھی حادثات ہوتے رہے ہیں۔ حجاج جب شیطان کی علامتوں کے پاس پہنچتے ہیں تو ان میں زبردست جوش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کنکری مار کر پھر الٹے پاؤں لوٹنے لگتے ہیں۔ جس کے سبب آنے اور جانے والوں میں تصادم ہوتا ہے اور بھگدڑ مچ جاتی ہے۔ لہٰذا حکومت نے امسال یہاں زبردست حفاظتی بندوبست کیا ہے۔ سعودی حکومت حادثات سے سبق سیکھتی ہے اور اس کے انتظامات کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ حادثات سے بچنے کا بندوبست تو پہلے کرتی ہی ہے اور اگر کسی غلطی کی وجہ سے حادثہ ہو گیا تو حادثے کے سبب کا پتہ لگا کر انتظام کیا جاتا ہے اور اس سبب کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا حکومت نے ایسا انتظام کیا ہے کہ اب بھگدڑ نہیں مچ سکتی۔

جیسا کہ بتایا گیا اس بار ون وے کر دیا گیا ہے۔ ایک طرف سے آیئے اور رمی کر کے دوسری طرف سے نکل جایئے۔ پھر بھی بہت سے لوگ آنے والے راستے سے ہی جانے بھی لگتے ہیں۔ جس سے بدمزگی پیدا ہوتی ہے۔ رمی کے راستہ پر سڑک کے درمیان میں جو کہ انتہائی وسیع ہے، گھیرا ڈال کر کچھ جگہیں مخصوص کر دی گئی ہیں۔ سامان لے کر رمی یا طواف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا سامان لے کر اس مخصوص دائرے میں رکھ دیا جاتا ہے لوگ بعد میں آ کر اپنا سامان لے لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی گر گیا یا زخمی ہو گیا تو اس کو نکال کر اس دائرے میں بحفاظت لے جاتے ہیں اور وہاں سے متعلقہ جگہ بھیجتے ہیں۔ اس ون وے ٹریفک میں لوگوں کو بہت زیادہ چلنا پڑتا ہے۔ اب حکومت نے رمی کی جگہ کو سات منزلہ بنانے کا پلان بنایا ہے تا کہ وہاں بھیڑ نہ رہے۔ شیطان کی علامتوں کے پاس پہنچ کر جو کہ دیوار کی شکل میں بنا دی گئی ہیں، حاجیوں میں زبردست جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ تکبیرات بلند آواز سے پڑھی جانے لگتی ہیں۔ کنکری مارنے کی آواز الگ سنائی دیتی ہے۔ اس کے علاوہ وہاں متعدد کولر چھتوں میں نصب ہیں ان سے بہت بھیانک شور اٹھتا ہے اور کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ساری آوازیں ایک دوسرے میں مدغم ہو کر عجیب سا ساؤنڈ بن جاتی

ہیں اور بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ حاجیوں کی کنکریوں سے زخم خوردہ شیطان بھیانک آواز میں چیخ رہا ہے۔ انتہائی کریہہ اور ہیبت ناک آواز سے پیچھا چھڑاتے ہوئے حاجی فوراُ وہاں سے نکل جاتے ہیں۔

ضیوف خادم حرمین شریفین کے خیموں میں ضیافت کا زبردست انتظام ہے۔ انواع واقسام کے پھلوں کے اسٹال لگے ہیں، چائے کافی اور کولڈ ڈرنکس کی بھرمار ہے۔ متعدد ذائقوں کے کھانے ہیں۔ کسی وقت بھی کسی چیز کی کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی۔

۱۲ر ذی الحجہ یعنی یکم جنوری ۲۰۰۷ء کو پونے تین بجے ہم لوگ آخری رمی کرنے کے لیے نکلے۔ رمی کر کے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ تقریباً ایک گھنٹہ پیدل چلنے کے بعد ہم لوگ عزیزیہ شمالیہ میں واقع اپنی رہائش گاہ قصر العین پہنچے۔ جو کہ ایک بہت بلند پہاڑی پر تعمیر ایک بالکل نئی عمارت ہے۔

قصر العین میں قیام

ہم لوگ پہلی بار اس عمارت میں داخل ہو رہے ہیں جبکہ دہلی سے آنے والے وفد کو پہلے ہی یہاں ٹھہرا دیا گیا تھا۔ ان کا سامان یہاں ان کے کمروں میں ہے مگر ہم ممبئی سے آنے والوں کو ابھی کمرے بھی دیکھنے ہیں اور اپنے سامان کی بھی فکر ہے۔ منیٰ میں ذمہ داروں نے تمام حجاج کا سامان ایک جگہ جمع کرا لیا تھا تا کہ اسے قصر العین پہنچایا جا سکے۔ ہم لوگوں نے اپنے سامان پر صرف اپنا اور ملک کا نام ہی لکھا تھا لہٰذا یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں سامان غائب نہ ہو جائے۔ اس سلسلے میں جب ذمہ داروں سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں۔ سامان کے تحفظ کی ذمہ داری ہماری ہے۔ ہم اس کو بحفاظت آپ کے ہوٹل پہنچا دیں گے۔ ہم لوگ منیٰ سے جو بستر کمبل اور تکیہ لے کر آئے تھے بعض لوگوں نے اسے بھی اپنے سامان کے ساتھ باندھ دیا اور ایسا کرنے والے زیادہ تر پاکستانی حجاج تھے۔ منتظمین نے بتایا کہ آپ یہ نہیں لے جا سکتے

اس کا استعمال صرف یہیں تک تھا۔ اس طرح انہوں نے سب کے سامان سے ان بستروں کو الگ کر دیا۔ تقریباً پونے تین بجے ہم لوگوں کو آخری رمی کے لیے نکالا گیا۔ اس گروپ میں جسٹس اے ایم احمدی بھی ہیں اور ان کو بھی خوب پیدل چلنا پڑا۔ ہمارے قصرالعین پہنچنے سے پہلے ہی ہمارا سامان پہنچ گیا ہے۔ مگر ایک ہزار لوگوں کے سامان میں اپنا سامان تلاش کرنا اور وہ بھی فی شخص تین تین چار چار عدد، آسان نہیں ہے۔ لیکن منتظمین نے سمجھداری کا مظاہرہ کیا اور ایک ملک کے حاجیوں کا سامان ایک ہی جگہ رکھا جس سے تلاش کرنے میں آسانی ہوئی۔ ہم نے بعض ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ کمروں کا بندوبست کر لیں ہم سامان کی تلاش اور رکھوالی کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگ اپنا سامان لے کر چوتھی منزل پر پہنچے اور ایک کمرہ خالی دیکھ کر اس میں اپنا سامان رکھ دیا۔ مگر تھوڑی دیر میں صدر جمہوریہ کے پریس سکریٹری ایس۔ ایم۔ خان نے آ کر بتایا کہ یہ کمرہ تو ان لوگوں کا ہے۔ لہٰذا اسے خالی کرنا پڑا۔ ہم لوگوں کو وہ شام اور رات اس ہوٹل میں گزارنی ہے اور صبح ۴ بجے طواف وداع کر کے مدینہ کے لیے رختِ سفر باندھنا ہے۔ جن چار لوگوں کو کمرہ نہیں ملا ان میں ہمارے علاوہ مولانا عطاء اللہ امینی بھیونڈی، مولانا عبدالباسط ریاضی حیدر آباد اور خالد انور ہیں۔ خالد انور نے اِدھر اُدھر تاک جھانک کر کے اپنا اور مولانا عطاء اللہ امینی کا انتظام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور قاضی انیس الرحمٰن کے کمرے میں کر لیا۔ ہمیں پروفیسر زبیر فاروقی نے یہ کہہ کر اپنے کمرے میں بلا لیا کہ آپ شریف آدمی ہیں یہاں آ جائیے ایک بیڈ خالی ہے۔ اس کمرے میں ان کے علاوہ مولانا عمید الزماں کیرانوی اور ڈاکٹر حبیب اللہ بھی ہیں۔ لیکن انتہائی شریف النفس اور سادہ لوح حاجی مولانا عبدالباسط کو کوئی بیڈ نہیں مل سکا اور انہوں نے لابی ہی میں ایک چٹائی بچھا کر اپنا انتظام کر لیا۔ ہم لوگوں نے کہا کہ یہ اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ آئیے آپ کا بھی کوئی انتظام کیا جاتا ہے۔ انہوں نے انتہائی کسر نفسی کے ساتھ کہا کہ نہیں کوئی بات نہیں، چند گھنٹے ہی تو گزارنے ہیں، میں یہیں گزار لوں گا۔ اس طرح انہوں نے وہ شب

لابی میں گزار دی۔ دراصل حج کے دوران پیش آنے والی مصیبتیں مصیبتیں نہیں لگتیں بلکہ اللہ کی راہ میں پیش آنے والی لذتیں محسوس ہوتی ہیں۔ جو لوگ یہ سوچ کر جاتے ہیں کہ ہمیں تو مناسک حج ادا کرنے ہیں اور یہ دشواریاں عبادت کے خشوع وخضوع میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں، ان کے لئے مصائب وآلام آرام دہ بستروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور صعوبت و پریشانی میں بھی ان کو ایک کیف اور ایک لذت کا احساس ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے مکہ و مدینہ کی ننگی زمین پر اور وہاں کے ذرّات پر شب باشی کی ہے ان سے پوچھئے کہ ان ذرّوں سے اپنی پشت اور کمر کو مس کرنے میں کتنی لذت ملتی ہے اور کیسی آسودگی وطمانیت کا احساس ہوتا ہے۔ مولانا عبدالباسط بھی انہی لوگوں میں سے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے بیڈ کی تلاش وجستجو میں رات گزار دینے کے بجائے لابی میں چٹائی بچھا کر عبادت وریاضت میں وقت گزارنے کو ترجیح دی۔

ہمارے ایک ساتھی عطاء اللہ انور (پٹنہ) کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ منیٰ میں بھی ان کو زیادہ نہیں دیکھا گیا۔ دسویں ذی الحجہ کو رمی کر کے اور حلق کرانے کے بعد ہم لوگوں نے ان کو نہیں دیکھا۔ ان کا سامان ہمارے خیمے میں تھا۔ اور جب وہ نہیں آئے تو اسے بھی قصر العین جانے والے سامان میں رکھوا دیا گیا۔ اس رات بھی ان کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ کسی نے بتایا کہ وہ پاکستانی حجاج کے ساتھ ہیں اور غارِ حرا دیکھنے گئے ہیں۔ ان سے مکہ میں ملاقات نہیں ہو سکی۔ ہم لوگ جب بس میں سوار ہو کر مدینہ شریف گئے اس میں بھی وہ نہیں تھے۔ بعد میں پاکستانی حجاج کے ساتھ وہ مدینہ شریف پہنچے۔

قصر العین میں بھی خورد ونوش کا بہترین انتظام ہے۔ لیکن ہم لوگ چونکہ اس ذائقے سے مانوس نہیں ہیں لہٰذا اس میں ہمارے لیے زیادہ لذت نہیں ہے۔ البتہ اس کھانے سے مانوس لوگوں کا کیا کہنا۔ اس وقت سید شاہد مہدی اور ہم چند لوگ ایک میز پر بیٹھے ہیں اور کھانے والوں کی ایک طویل قطار ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی ہے۔ کافی دیر کے بعد ہم لوگوں کا نمبر آیا۔ اس سے قبل سید شاہد مہدی، مولانا سید احمد بخاری اور بعض دوسرے لوگوں نے قصر العین کے نشیب میں ایک پاکستانی ہوٹل

تلاش کر لیا تھا اور وہاں سے وہ لوگ کچھ کھا پی کر آ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ہوٹل کے مالک کی بیوی اندر سے گرما گرم روٹی بنا کر باہر بھیجتی رہی اور ہم لوگ کھاتے رہے۔ انہوں نے اس کھانے کی بہت تعریف کی ۔ بعد میں ہم لوگوں نے بھی اس ہوٹل کو تلاش کر لیا اور وہاں جا کر لذت کام و دہن سے مانوس ہوئے۔ گرچہ کھانا بہت اچھا نہیں تھا لیکن کئی روز کے بعد ہندوستانی مزاج اور زبان کے چٹخارے والا کھانا ملا تھا اس لیے سیر ہو کر کھایا گیا۔

خانۂ کعبہ میں بت پرستی کی ابتدا

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام نے مل کر خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خانۂ کعبہ کی ابتدائی تعمیر آدم علیہ السلام نے کی تھی مگر امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کے نشانات مٹ گئے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بتائے نشان کے مطابق مذکورہ دونوں پیغمبروں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی۔ مگر بعض علماء کے مطابق کسی بھی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ اسے حضرت آدمؑ نے بنایا ہو۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی بنی جرہم قبیلہ میں ہوئی تھی اور وقت کے ساتھ ساتھ بنی جرہم میں خانۂ کعبہ کی تولیت آئی۔

مگر عمرو بن لحی نے اپنے قبیلے کے لوگوں کی مدد سے جرہم کو مکہ سے نکال کر کعبہ کی تولیت پر قبضہ جما لیا۔ کعبہ کی تولیت عرب میں بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے عمرو بن لحی کعبہ کا متولی ہونے کے بعد بہت صاحب اثر ہو گیا۔

اسی عمرو بن لحی کا ایک بار شام کے کسی شہر میں جانا ہو گیا۔ وہاں اس نے لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا۔ وہ جو بیت اللہ کا متولی تھا اسے یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ تم لوگ ان بتوں کی پوجا کس لیے کرتے ہو؟ جواب دیا گیا کہ یہ بت ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔ پانی نہ برسے اور قحط پڑ جائے تو ہم ان بتوں کے نام کی دہائی دیتے ہیں اور مینہ برسنے لگتا ہے۔ جنگوں میں ہمیں فتح انہی بتوں کی برکت اور فیض و تصرف سے حاصل ہوتی ہے۔ اس پر وہ بد

بخت بولا کہ چند بت مجھے بھی عنایت فرما دیجئے۔ چنانچہ اس نے چند بت شام سے لا کر کعبہ کے آس پاس رکھ دیئے۔ بس اسی دن سے مکہ میں بت پرستی چل پڑی اور سارے عرب میں یہ لعنت پھیل گئی۔

لات شہر طائف میں قبیلہ ثقیف کا خداوند تھا۔ عزیٰ کی خود مکہ معظمہ میں قریش وکنانہ "جے" پکارتے تھے۔ منات کے اوس، خزرج اور غسان پجاری تھے۔ یہ بت مدینہ منورہ میں نصب تھا۔ ود کا استھان دومۃ الجندل تھا اور قبیلہ کلب اس کی پرستش کرتا تھا۔ سواع ہذیل کا یغوث مذحج اور یمن کے بعض قبائل کا اور یعوق، ہمدان کا معبود تھا۔ ان سب بتوں میں "صنم اکبر" ہبل تھا۔ جسے ان احمق بت پرستوں نے خانۂ کعبہ کی چھت پر نصب کر دیا تھا۔ قریش جنگوں میں اسی ہبل کی دہائی دیتے اور اس کی جے پکارتے۔ عرب بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور حج کے لیے بھی سال کے سال آتے تھے۔ مگر یہ رکن دین اب صرف باپ دادوں کی رسم بن کر رہ گیا تھا۔ خدا کے پرستار اور امام الموحدین حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر چلنے والے اب لکڑی اور پتھر کے خود تراشیدہ ٹکڑوں کے آگے سرِ نیاز خم کرتے تھے۔ بتوں پر قربانیاں کرتے، چڑھاوے چڑھاتے اور ان کے نام کے باغوں اور کھیتوں کی پیداوار میں حصے مقرر کرتے۔ بت پرستی کا یہ شوق اس حد تک پہنچ گیا کہ سفر میں جَو کے ستوؤں کا ہی بت بنا لیتے اور جب ضرورت پڑتی تو اپنے اس معبود کو پانی میں گھول کر پی بھی لیتے۔ قبیلہ قبیلہ اور ایک ایک گھرانے کا بت جدا جدا تھا۔ بتوں کے علاوہ عرب کے بعض قبیلے چاند اور سورج اور دوسرے ستاروں کو بھی پوجتے۔ 'شگون' ٹونے ٹوٹکے اور کہانت کی وبا بھی عام تھی۔

تاریخ کعبہ

کعبے کی تعمیر کے سلسلے میں مختلف روایات مذکور ہیں۔ بقول الازرقی کعبے کو سب سے پہلے فرشتوں نے تعمیر کیا۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا بھی نہیں کیا گیا

تھا۔ اس کے اثبات میں وہ حضرت زین العابدینؒ سے منقول ایک روایت پیش کرتے ہیں۔ مزید برآں حضرت ابن عباسؓ سے بھی اس سلسلے میں ایک روایت منقول ہے۔ النووی نے بھی اپنی کتاب ''تہذیب الاسماء واللغات'' میں فرشتوں کی تعمیر کعبہ کا ذکر کیا اور اسے کعبے کی اولین تعمیر قرار دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت آدمؑ نے کعبے کی تعمیر کی۔ اس کے اثبات میں البیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو حضرت آدمؑ وحوا کی طرف بھیجا اور ان کو کعبے کی تعمیر کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ جب تعمیر مکمل ہوگئی تو ان کو طواف کا حکم دیا گیا۔ پھر مرورِ زمانے کے بعد حضرت نوحؑ نے کعبے کا حج کیا۔ الازرقی نے بھی آدمؑ کی تعمیر کعبہ کا ذکر کیا اور اس کی تائید میں دو روایات نقل کی ہیں۔ مشہور محدّث عبدالرزاق اپنی کتاب ''المصنف'' میں لکھتے ہیں کہ آدمؑ نے کعبے کی تعمیر میں پانچ پہاڑوں یعنی لبنان، طورِ زیتا، طورِ سینا، الجودی اور حرا کے پتھر استعمال کیے۔ بقول المحب البطری کعبے کی بنیادوں میں حرا کے پتھر استعمال کیے گئے تھے۔ حضرت آدمؑ کی تعمیر کے بعد ان کے بیٹے شیثؑ نے بھی کعبے کی تعمیر ثانی میں حصہ لیا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کا ذکر تو خود قرآن کریم نے کیا ہے۔ ابن الحاج المالکی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے کعبے کی جو بنیاد رکھی، وہ پچھلی جانب سے گول تھی۔ اس کے دو کونے (رکن) تھے اور دونوں رکنِ یمانی کہلاتے تھے۔ قریش نے تعمیر کعبہ کے وقت اس کے چار ارکان تعمیر کیے۔

مگر مکہ کے سالانہ مجلّہ ''مکہ'' (ذی قعدہ ۱۴۲۷ ہجری) میں مکہ مکرمہ کی مختصر تاریخ کے عنوان سے ڈاکٹر محمد بن معال سلمٰی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل کعبہ کے وجود کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ان کے مطابق حافظ ابن کثیر اپنی کتاب (البدایہ والنہایہ) میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ کعبہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بنا تھا۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے ظاہری الفاظ سے

یہ پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر کی اور اس کی بنیاد رکھنے کا کام انجام دیا۔ اس مضمون میں آگے لکھا ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس طرح ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول سے پوچھا کہ روئے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنی تو آپ نے فرمایا مسجد حرام۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس کے بعد کون سی مسجد بنی تو فرمایا مسجد اقصیٰ۔ میں نے پوچھا دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ آپ نے فرمایا چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ اس حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کی فضلیت کا ذکر ہے اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں کی بنیاد ابراہیم علیہ السلام نے ہی رکھی اور دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے۔ اس لیے مکہ میں سب سے پہلی عمارت کعبہ ہے اور سب سے پہلا پانی زمزم ہے۔

ادھر دوسری طرف مصر کے نامور مورخ محمد طاہر بن عبدالقادر بن محمود الکردئ المکی کی تصنیف کی تلخیص تنویر قیصر شاہد نے کی ہے۔ یہ تلخیص اردو ڈائجسٹ لاہور میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے مطابق تعمیر کعبہ کی تاریخ اور ترتیب اس طرح ہے۔

تعمیرات کعبہ

کعبہ گیارہ بار تعمیر ہوا:

(۱) فرشتوں نے بنایا

(۲) آدمؑ نے بنایا

(۳) شیثؑ نے تعمیر کیا

(۴) ابراہیمؑ نے تعمیر کیا

(۵) عمالقہ نے بنایا

(۶) جرہم نے تعمیر کیا

(۷) قصیٰ نے تعمیر کیا

(۸) قریش نے بنایا
(۹) عبداللہؓ بن زبیر نے تعمیر کیا
(۱۰) حجاج نے تعمیر کیا
(۱۱) سلطان مراد رابع ابن سلطان احمد نے ۱۰۴۰ھ میں بنایا۔ یہ بادشاہ سلاطین آلِ عثمان سے تھا۔

ابراہیمی تعمیر:

حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر بغیر مٹی اور چونے کے تھی، آپ نے کعبے کے اندر داہنی جانب ایک گہرا گڑھا کھودا تھا جو کنویں کی مانند تھا۔ یہ نذر و نیاز کے لیے خزانہ تھا۔ اس کی گہرائی تین گز تھی۔ آپ نے کعبے کو چھت دار نہیں بنایا تھا نہ اس میں کوئی لکڑی کا دروازہ تھا۔ دروازے کے بجائے آپ نے مشرقی دیوار میں ایک کشادہ راستہ چھوڑ دیا تھا تا کہ خانۂ کعبہ کے داخلے کی راہ معلوم ہو سکے۔

روایت ہے کہ آپ نے کعبے کی تعمیر پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے کی تھی۔

(۱) طورِ سینا (۲) طورِ زیتاء (۳) لبنان (۴) جودی (۵) حرا

حضرت ابراہیمؑ نے آدمؑ کی بنیاد پر بنیاد رکھی تھی، آپ نے کعبہ کے دو رکن رکھے تھے...... رکنِ اسود اور رکنِ یمنی۔ حجر کی جانب کوئی رکن نہ تھا بلکہ وہ نصف دائرے کی شکل میں گول تھا، حجر کی جانب پہلو کی چھت تھی جہاں آج کل دروازہ ہے۔ یہ دیوار بتیس ہاتھ تھی اور اس کے مقابل کی دیوار بیس ہاتھ۔

حجرِ اسماعیل کو آپ نے اس لیے گول بنایا تھا کہ کعبے کے سامنے والی دیوار بھی گول تھی اور پہلو سے اس کو اس لیے بنایا گیا تھا تا کہ وہ بنیاد کعبہ میں داخل نہ ہو مگر اسے اس سے خارج بھی نہیں سمجھا جائے۔

قریشی تعمیر:

مشہور یہ ہے کہ قریش نے بعثت سے پانچ سال پہلے کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ انہوں نے حجر کی جانب سے چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا تھا کیونکہ حلال مال سے جو چندہ انہوں نے تعمیر کے لیے جمع کیا تھا، وہ کافی نہ تھا۔ قریش نے حجر کے پیچھے سے ایک چھوٹی سی گول گنبد بنادی تھی تا کہ لوگ اس کے پیچھے سے طواف کریں اور اس کے دروازے کو زمین سے بلند کر دیا تھا اور پتھروں سے اسے مضبوط کر دیا تھا تا کہ سیلاب کا پانی اس کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ انہوں نے دروازہ ایک ہی رکھا تھا۔

قریش نے کعبے کی تعمیر اس لیے کی تھی کہ ایک عورت نے کعبے کو دھونی دی تو ایک شرارہ غلافِ کعبہ پر بیٹھ گیا اور آگ لگ گئی، ہر سمت سے دیواریں پھٹ کر کمزور ہو گئیں۔

زبیری تعمیر:

حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے تین دن تک استخارہ کرنے کے بعد کعبے کو بالکل زمین کے برابر کر دیا اور حضرت ابراہیمؑ کی بنیاد کو بھی کھدوایا تو دیکھا کہ وہ چھ ہاتھ اور ایک بالشت حجر اسماعیل میں داخل ہے۔ لہٰذا آپ نے انہی کی بنیادوں پر تعمیر کی۔ ابن زبیر نے کعبے کی تعمیر چونے سے کرائی تھی جو یمن سے منگوایا گیا تھا۔

حجاج کی تعمیر:

حضرت عبداللہؓ ابن زبیر کو شہید کرنے کے بعد حجاج بن یوسف الثقفی نے عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ ابنِ زبیر نے کعبے میں اضافہ کیا ہے اور ایک دروازہ بڑھا دیا ہے۔ کیا میں جاہلی زمانے کی تعمیر کے مطابق نہ کر دوں؟ حجاج نے کعبے کو گرا کر قریشی بنیاد کے مطابق اسے بنا ڈالا، مغربی دروازہ بند کر دیا اور مشرقی دروازہ کو سطح زمین سے بلند کر دیا،

دروازہ کی لمبائی چار ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا لہٰذا اس کی لمبائی چھ ہاتھ اور ایک بالشت رہ گئی۔ یہ واقعہ ۷۴ ہجری کا ہے۔

سلطان مراد رابع کی تعمیر:

سلطان مراد رابع ابن سلطان احمد، سلاطین آلِ عثمان سے تھا، اس کی تعمیر کا یہ سبب ہوا کہ بدھ کے دن آٹھ بجے ۱۹ر شعبان ۱۰۳۹ھ میں مکہ اور اس کے اطراف میں سخت بارش ہوئی تو سیلاب کا پانی مسجدِ حرام میں در آیا اور کعبے کے دروازے کے قفل سے بھی دو میٹر اوپر ہو گیا، اس کے اگلے دن جمعرات کو عصر کے وقت کعبے کی شامی دیوار دونوں طرف سے گر گئی اور اس کے ساتھ مشرقی دیوار کا کچھ حصہ بھی جو بابِ شامی سے متصل تھا، گر پڑا۔ صرف چوکھٹ کے بقدر حصہ باقی رہ گیا اور غربی دیوار دونوں طرف سے چھٹے حصے کے بقدر گر گئی اور بیرونی طرف سے ثلث اور چھت کا کچھ حصہ بھی گر گیا جو شامی دیوار سے ملحق تھا۔ سلطان مراد نے بنائے کعبے کا حکم دیا۔ اس کی تعمیر ۱۰۴۰ھ میں مکمل ہوئی، جس طرح حجاج نے بنائی تھی۔ اسی طرح اس نے بنوائی۔

حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر اور قریش کی تعمیر کے درمیان دو ہزار چھ سو پینتالیس سال کا فاصلہ ہے جیسا کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں حلبی سے نقل کیا ہے۔ قریش اور ابنِ زبیر کی تعمیر کے درمیان بیاسی سال کا فاصلہ ہے، حجاج اور ابنِ زبیر کی تعمیر کے درمیان دس سال کا اور حجاج اور سلطان مراد کی تعمیر میں نو سو چھیاسٹھ سال کا۔ تاریخ میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ کسی بھی بادشاہ یا کسی بھی شخص نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہو کہ خانۂ کعبہ میری ملکیت ہے یا میرے باپ دادا کی ملکیت ہے۔ بلکہ عرب کے مشرکین اور بت پرست بھی اسے بیت اللہ کہہ کر پکارتے تھے۔ بعض لوگوں نے ایسے مقامات بنائے بھی مگر وہ عبادت گاہیں بھی گر گئیں اور وہ خود بھی برباد ہو گئے۔ ابرہہ نے صنعا میں ایسی ایک عظیم الشان عمارت بنائی تھی جس کا نام قلیس تھا۔ یہ تعمیر ساٹھ گز بلند تھی

اور اس پر زرِ کثیر صرف کیا تھا، وہ چاہتا تھا کہ لوگ بجائے مکہ کے یہاں حج کرنے آیا کریں مگر دوعرب آئے اور اس میں پاخانہ کر گئے۔ لہٰذا ابرہہ کو بڑا غصہ آیا اور اس نے کہا میں خانۂ کعبہ کو گرا کر ہی دم لوں گا۔ چنانچہ وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر آیا اور ہلاک ہوا۔ عباس بن ربیع حارثی نے جو کہ ابوجعفر منصور کا یمن میں گورنر تھا، قلیس کو گروا دیا تو یہاں سے بہت کچھ دولت ہاتھ آئی۔ شیخ عبداللہ بن محمد الغازی الہندی نے اپنی کتاب افادۃ الانام میں لکھا ہے:

> ''خالد بن برمک کے اجداد میں کسی نے خانۂ کعبہ کے مقابلے پر ایک معبد تعمیر کرایا اور اس کے ارد گرد تین سو سات خادموں کے حجرے بنوائے۔ وہ اور اس کی ملکیت کے آدمی یہاں حج کرنے کے لیے آتے۔ ظالم بن اسعد نے بھی بنوغطفان کے لیے کعبہ کے مقابلے میں ایک عبادت گاہ بنوائی تھی مگر زبیر بن خباب قلبی نے اسے گرا دیا اور ظالم کو قتل کر دیا۔''

خانۂ کعبہ سے متعلق حیرت انگیز واقعات وحادثات

مختلف ادوار میں خانۂ کعبہ کے ساتھ محیر العقول حادثات و واقعات بھی پیش آتے رہے ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

- طبری اپنی کتاب ''القری فی لقاصد ام القریٰ'' کے پینتیسویں باب میں لکھتا ہے کہ حکیم بن حزام خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ اور کوئی بچہ خانۂ کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ عام الفیل سے بارہ یا تیرہ سال پہلے ان کی ولادت ہوئی۔ ان کا انتقال مدینے میں حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانے میں ۵۴ھ میں ہوا۔ ایک سو بیس سال عمر پائی۔ ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے۔ عام الفتح میں اسلام لائے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ حج کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے ایک سو اونٹ قربانی کے لیے بھیج دئے

جن پر یمنی چادریں پڑی تھیں۔ اور ہزار بکریاں بھیجیں اور ایک سو غلام بھیجے جن کی گردنوں میں چاندی کے بلے پڑے ہوئے تھے اور یہ عبارت لکھی تھی...... ''حکیم بن عزام کی طرف سے راہِ خدا میں آزاد کیے گئے۔''

- امام مرزوقی نے اپنی تاریخ میں عبداللہ بن ابی سلیمان سے روایت کی ہے کہ فاختہ بنتِ زہیر بن الحارث بن اسد بن عبدالعزیٰ (حکیم بن حزام کی والدہ) کعبے میں داخل ہوئی۔ وہ پورے دنوں سے تھی۔ وہاں اسے دردِ زہ ہونے لگا تو حکیم پیدا ہوئے، کعبے کے اندر چمڑا بچھا دیا گیا اور حکیم کو زمزم کے پانی سے غسل دیا گیا۔
- امام ازرقی اپنی تاریخ کے حصہ اول میں غارِ کعبہ کے ذکر میں لکھتے ہیں:
- ''ابنِ ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی کہ کعبے کے اندرونی حصے میں داہنے ہاتھ پر ایک گہرا غار جسے ابراہیم خلیل اللہ اور اسماعیلؑ نے کھودا تھا، میں چڑھاوے رکھ دیئے جاتے تھے جو زیورات، سونے، چاندی اور خوشبوؤں پر مشتمل ہوتے تھے۔ جرہم نے ایک شخص کو اس خزانے کی حفاظت کے لیے مقرر کیا تھا۔ ایک دن اس کی نیت بگڑ گئی، جب دوپہر کا وقت ہو گیا، سائے سکڑ گئے۔ لوگ اٹھ گئے اور راستے بند ہو گئے تو اس نے اپنی چادر پھیلائی اور جو کچھ اس گڑھے میں تھا، نکال کر اپنی چادر میں باندھ لیا تو وہ غار ہی میں پھنسا رہ گیا، جب شام ہوئی تو لوگوں نے اسے نکالا اور جو کچھ اس نے چادر میں باندھا تھا، اس میں ڈال دیا۔ اس دن سے اس غار کو اخسف کہنے لگے کیونکہ وہ شخص اس غار میں دھنس گیا تھا۔
- ازرقی نے اپنی تاریخ کے پہلے حصے میں لکھا ہے: ''حولطیب بن عبدالعزیٰ سے روایت ہے کہ کعبے میں لگام جیسے حلقے لٹکے ہوئے تھے۔ اگر کوئی شخص انہیں پکڑ لیتا تو پھر اسے کوئی کچھ نہ کہتا۔ ایک خائف انسان آیا اور اس نے ایک حلقے کو پکڑنا چاہا تو ایک شخص نے اس شخص کو پیچھے سے کھینچ لیا۔ اسی وقت

وہ شخص لنجا ہوگیا۔ زمانۂ اسلام میں بھی اسے میں نے لنجا دیکھا ہے۔''

- الجامع اللطیف میں ابنِ ظہیرۃ القرشی نے لکھا ہے، ''عبداللہ بن عمرو بن العاص مسجد حرام میں قریشیوں کے ساتھ بیٹھے تھے، دوپہر کا وقت ہو چکا تھا۔ سائے زائل ہو چکے تھے کہ اچانک بنوشیبہ کے گھر سے ایک چمک دار سانپ نکلا۔ وہ رکنِ یمانی پر آیا، اسے بوسہ دیا اور خانۂ کعبہ کے سات چکر لگائے۔ پھر مقام ابراہیم میں گیا اور وہاں دو رکعت پڑھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا...... ''جاؤ اس سے کہہ دو کہیں تجھے کوئی مار نہ ڈالے۔'' چنانچہ ایک شخص گیا اور اس نے سر جھکا لیا، پھر وہ آسمان کی طرف اڑتا چلا گیا اور نظروں سے غائب ہوگیا۔
- اسی کتاب میں ہے کہ دورِ جاہلی میں دو پرند جو شتر مرغ کے برابر تھے، آئے اور کعبہ میں داخل ہو گئے، قریش انہیں کھلاتے پلاتے، جب لوگ طواف کر چکتے تو وہ طواف کرتے اور جب لوگ آجاتے تو وہ دیوارِ کعبہ پر بیٹھ جاتے۔ ایک ماہ تک وہ اسی طرح کرتے رہے۔ پھر یہاں سے چلے گئے۔ اسی کتاب میں ہے کہ جس دن حضرت عبداللہ بن زبیر شہید ہوئے، اس دن خانۂ کعبہ میں طواف کرنے والا کوئی بھی نہ تھا، صرف ایک اونٹ کعبے کا طواف کر رہا تھا۔
- کتاب افادۃ الانام مصنفہ عبداللہ الغازی الہندی کی پہلی جلد میں مذکور ہے کہ علامہ قطبی نے ذکر کیا ہے کہ ایک اونٹ والے کا اونٹ بھاگ گیا، اونٹ والا اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ لادتا تھا۔ یہ اونٹ حرم میں داخل ہوا اور طواف کرنے لگا، لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا مگر کوئی اسے نہ پکڑ سکا حتی کہ اس نے سات پھیرے مکمل کر لیے۔ پھر وہ حجر اسود کے پاس آیا پھر میزاب کے سامنے آیا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، یہاں وہ زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ لوگوں نے اسے اٹھا کر صفا و مروہ کے درمیان دفن کر دیا۔
- تاریخ ازرقی میں مذکور ہے کہ اہلِ عرب خانۂ کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کیا کرتے تھے، صرف حمس کپڑے پہن کر کرتے تھے، ایک دفعہ ایک عورت جو بڑی

خوبصورت تھی، ننگی طواف کر رہی تھی۔ ایک شخص کی نیت میں فتور آ گیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ طواف کرنے لگا۔ طواف میں ان دونوں نے بازو سے بازو لڑایا تو دونوں کے بازو ایک دوسرے کے ساتھ جڑ گئے۔ وہ وہاں سے بھاگے۔ مسجد حرام کے باہر ایک بوڑھا قریشی ملا اور اس نے واقعہ پوچھا۔ انہوں نے سچ سچ کہہ سنایا تو اس نے کہا جاؤ پھر اسی مقام پر جاؤ اور خلوص کے ساتھ دعا کرو، چنانچہ وہ حرم میں گئے اور خوب گڑگڑائے تو دونوں کے بازو علیحدہ ہو گئے۔

- افادۃ الانام میں غازی لکھتا ہے۔ ابنِ فہد سے مروی ہے کہ ۵۸۱ھ میں اژدہام کی وجہ سے چونتیس آدمی مرے اور ۸۸۱ء میں پچیس آدمی مرے۔
- تاریخ کعبہ مصنفہ شیخ حسین باسلامیہ میں حجرِ اسود سے متعلق جو حوادثات ہوئے ان کا ذکر آتا ہے۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔
- ۳۶۳ھ میں سخت گرمی اور دوپہر کا وقت تھا۔ کوئی دو تین آدمی طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص گودڑی پہنے آیا۔ وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا، رکنِ اسود کے قریب آیا، پھاوڑا اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ رکنِ اسود پر پھاوڑا مارنے لگا۔ جوں ہی اس نے دوسری بار پھاوڑا اٹھایا تو ایک سکسکی جو یمن کا باشندہ تھا اور طواف کر رہا تھا اس نے اس کے نیزہ مارا اور ہلاک کر دیا۔ لوگ ادھر ادھر سے جمع ہو گئے، اس کی نعش کو مسجد حرام سے باہر نکالا اور آگ لگا دی۔
- ۹۹۰ھ میں ایک عجمی خنجر بدست آیا اور اس نے حجر اسود پر حملہ کیا، امیر ناصر جاؤس اس وقت موجود تھا، اس عجمی کے پیٹ میں خنجر گھونپ دیا اور وہ وہیں مر گیا۔
- غازی نے لکھا ہے کہ والی مکہ شریف احمد بن محمد الجازانی کو ایک ترکی نے اس کے بھائی کے اشارے سے قتل کر دیا اور اس کی لاش باہر پھنکوا دی۔ مرد اور عورتیں آتے اور اس کی بری حرکتوں کی بنا پر اسے گالیاں دیتے۔ پھر اس کی لاش بغیر غسل و نماز کے دفن کر دی گئی۔

- سب سے بڑا حادثہ قرامطہ کا ہے۔ یہ لوگ ۷/ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو مکے میں داخل ہوئے اور انھوں نے بڑی بری حرکتیں کیں، ابو طاہر قرامطی شراب کے نشے میں گھوڑے پر سوار خانۂ کعبہ میں داخل ہوا، اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس نے گھوڑے کو سیٹی بجائی۔ گھوڑے نے خانۂ کعبہ کے پاس پیشاب کیا اور بہت سے حاجیوں اور طواف کرنے والوں کو شہید کر دیا۔ علی بن مالویہ بھی طواف کر رہے تھے۔ لوگوں کی گردنیں اتاری جارہی تھیں اور وہ دیکھ رہے تھے۔ وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے:

"عاشقوں کو ان کے دیار میں پچھاڑا ہوا پاؤ گے۔ جیسے اصحاب کہف کو پتہ نہ تھا کہ وہ کتنے دنوں غار میں رہے۔"

- ابو طاہر نے ایک ہزار سات سو آدمی شہید کیے اور بعض راویتوں میں ہے کہ تیرہ ہزار مرد و زن کو شہید کیا اور چاہ زم زم کو اس سے بھر دیا۔

غازی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۱۰۸۳ھ میں اسحاق آفندی نے جو امرائے روم سے تھا حج کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ رات کے وقت کعبے میں داخل ہو، چنانچہ عبدالواحد مجاور نے دروازہ کھولنا چاہا مگر تالہ نہ کھلا تو لوہار کو بلایا۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے تو شیخ نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا آپ سنتے نہیں، دیکھئے اندر سے کوئی زور لگا رہا ہے، شیخ نے دیکھا تو واقعی اندر سے بڑی سختی کے ساتھ رکاوٹ ہو رہی تھی تو اس نے لوگوں سے کہا، "بھائیو! واپس جاؤ کیونکہ اس دروازہ کا کھلنا اللہ کے اختیار میں ہے۔" اسحاق بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔

- ملک معظم عبدالعزیز سعود پر ۱۳۵۳ھ میں طواف کرتے ہوئے ایک شخص نے خنجر سے حملہ کرنا چاہا۔ پولیس کا ایک آدمی اس کی طرف بڑھا۔ اس نے کانسٹبل کو مار گرایا تو دوسرا پولیس مین بڑھا اور وہ بھی مارا گیا۔ مجرم جلالۃ الملک کے قریب پہنچ چکا تھا کہ ولی عہد نے اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ

دور جا کر گر پڑا۔ شاہ کے محافظ نے پستول سے اس کا کام تمام کر دیا تو دوسرا شخص خنجر بکف حملہ آور ہوا۔ ولی عہد کے بازو تک اس کا خنجر پہنچا ہی تھا کہ جلالۃ الملک کے محافظ نے پستول کی گولی سے اسے بھی ہلاک کر دیا۔ ولی عہد کے خنجر سے معمولی سا خراش آیا، پھر ایک تیسرا شخص خنجر بکف نکلا مگر جب اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں ساتھی مارے گئے ہیں تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ فوجیوں نے اس پر گولیاں چلادیں اور وہ بھی بابِ ابراہیم کے قریب گر پڑا۔ پھر جلالۃ الملک نے طواف کے پھیرے پورے کیے اور سیدھے منیٰ پہنچے۔

باب کعبہ

جس طرح خانۂ کعبہ کی متعدد بار تعمیر ہوئی اسی طرح باب کعبہ بھی متعدد بار بدلا گیا۔ اس کا قفل بھی بدلتا رہا ہے۔ مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے ملک عبدالعزیز کے دور میں ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں بھی باب کعبہ نئے سرے سے بنایا گیا۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں اس وقت کے فرماں روا شاہ خالد بن عبدالعزیز آل سعود خانۂ کعبہ کے اندر نماز ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کا دروازہ کافی بوسیدہ ہو چکا ہے۔ انہوں نے فوراً حکم دیا کہ اس بوسیدہ دروازے کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا دروازہ بنا دیا جائے۔ جو کافی مضبوط اور جدید ہو۔ درحقیقت یہ دروازہ دو دروازوں کا مجموعہ ہے۔ ایک دروازہ بیرونی ہے اور دوسرا اندرونی ہے۔ اسلامی آرٹ میں مہارت رکھنے والے ایک انجینئر نے دروازے کی تعمیر کے پروگرام کی تکنیکی منصوبہ بندی کی جس پر تین لاکھ ریال کا صرفہ آیا۔

اس منصوبہ بندی کو آخری شکل دینے کے بعد اس کام کے لیے مکہ مکرمہ میں ایک خاص ورکشاپ قائم کی گئی۔ جس کی نگرانی کی ذمہ داری مکہ مکرمہ کے چیف گولڈ اسمتھ (سنار) کے سپرد کی گئی اور ان کی امداد کے لیے اس فن کے ماہرین کی خدمات حاصل

کی گئیں۔ اس منصوبہ بندی میں یہ بات شامل تھی کہ خانۂ کعبہ کا دروازہ ایسا ہو جو غلاف کعبہ کے لیے مناسب بھی ہو۔

اوّلین تجربات کے بعد عملی طور پر کام شروع کیا گیا۔ اس کام کے لیے سعودی مالیاتی ادارہ نے ۲۸۰ کلو گرام 9999% کیرٹ کا خالص سونا اور ۱۳،۴۲۰،۰۰۰ ریال فراہم کیے۔ مرحوم خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز اس وقت ولی عہد تھے۔ انہوں نے بذات خود کئی بار ورکشاپ میں جا کر ان کاموں کا معائنہ کیا تا کہ کام کی رفتار میں باقاعدگی قائم رہے اور کوالٹی میں بھی کوئی فرق نہ آئے۔ خانۂ کعبہ کے اندرونی دروازے کو ''باب التوبہ'' کہتے ہیں۔ وہ بھی نقش و نگار اور خوبصورتی میں بیرونی دروازے کی مانند ہے۔ اس دروازہ پر جو قفل لگا ہوا تھا وہ تقریباً ۷۰ سال پرانا تھا لہٰذا اس کو بھی بدل دیا گیا اور ایک عمدہ قسم کا نیا قفل لگا دیا گیا۔ باب کعبہ کو کھولنے کے لئے ایک بڑی اور مضبوط سیڑھی استعمال کی جاتی ہے جو لوہے کے پہیوں پر چلائی جاتی ہے۔

تاریخ غلاف کعبہ

بتایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے کعبے پر غلاف چڑھایا تھا۔ اس کے بعد صدیوں تک تاریخ خاموش ہے۔ پھر یہ ذکر ملتا ہے کہ عدنان نے غلاف چڑھایا۔ پھر یمن کے ایک شخص اسعد نے سرخ رنگ کے دھاری دار یمنی کپڑے کا مکمل غلاف چڑھایا تھا۔ البتہ خانۂ کعبہ کا انتظام قبیلہ قریش کے ہاتھوں میں جانے کے بعد غلاف کعبہ کی مسلسل تاریخ ملتی ہے۔ روایات زمانۂ اسلام تک محفوظ رہی ہیں، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سے اس نے انتظام سنبھالا، اس کے مختلف خاندان ہر سال باری باری سے کعبے پر غلاف چڑھایا کرتے تھے۔ پھر بنی مخزوم کے ایک سردار ابو ربیعہ نے یہ طے کیا کہ ایک سال غلاف وہ چڑھایا کرے گا اور ایک سال کا غلاف قریش کا کوئی خاندان اپنی طرف سے چڑھائے۔

اس کے علاوہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ عرب کے مختلف قبیلے اور قبائلی

سردار جب زیارت کے لیے آتے تھے تو کعبے پر لٹکانے کے لیے طرح طرح کے پردے لاتے تھے۔ جتنے لٹکائے جاسکتے تھے اتنے لٹکا دیئے جاتے اور باقی کعبے کے خزانے میں رکھ دیئے جاتے تھے۔ جب کوئی پردہ بوسیدہ ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا پردہ لٹکا دیا جاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پانچ سال پہلے جب قریش نے کعبے کی از سر نو تعمیر کی تو پورے قبیلے نے بڑے اہتمام سے کعبے پر غلاف چڑھایا۔ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ قبیلہ بنی سلیم کے ایک شخص اپنی ماں کے ساتھ زیارت کعبہ کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس زمانے میں انہوں نے کعبے پر مختلف قسم کی اور مختلف رنگوں کی چادریں لٹکی ہوئی دیکھی تھیں۔

فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اعلان کہ فلاں فلاں اشخاص اگر کعبے کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کر دیا جائے، اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ اس وقت کعبے پر پردے لٹکے ہوئے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ نے اعلان فرمایا تھا کہ آج وہ دن ہے جب اللہ کعبے کی عظمت قائم فرمائے گا اور اب ہم اس پر غلاف چڑھائیں گے۔ حضور صلی اللہ علی وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اپنے زمانے میں کعبے پر یمنی کپڑے کا غلاف چڑھاتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ قباطی (مصری کپڑے) کا غلاف بنوانے لگے۔

قدیم زمانے سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ جب حج کے بعد سب حاجی رخصت ہو جاتے تھے تو ۱۰ محرم کو کعبے پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ اسی طریقہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی عمل ہوتا رہا۔ امیر معاویہؓ نے اپنے عہد میں کعبے پر غلاف چڑھانے کے علاوہ ایک اور غلاف عیدالفطر کے موقع پر بھی چڑھانا شروع کر دیا۔ یہ بات بھی روایات سے معلوم ہوتی ہے کہ زمانۂ اسلام میں سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے ریشمی غلاف بنوایا تھا۔ پھر یزید اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنے زمانے میں اس کی تقلید کی، اور عبدالملک بن مروان کے عہد سے

یہی مستقل طریقہ بن گیا جو آج تک جاری ہے۔

عباسی خلافت کے زوال تک غلاف کی تیاری مرکزی حکومت کے انتظام میں ہوتی۔ پھر جب کوئی مرکزی حکومت باقی نہ رہی تو مختلف علاقوں کے سلاطین اپنی طرف سے غلاف بنوا کر بھیجتے رہے اور بسا اوقات بیک وقت کئی کئی غلاف بھی چڑھائے گئے۔ اس سلسلے میں ایک مرتبہ ہندوستان سے بھی (۴۶۶ھ میں) غلاف بنوا کر بھیجا گیا تھا۔

۷۵۰ھ میں مصر کے فرمانروا الملک الصالح اسماعیل بن ناصر نے غلاف کعبہ تیار کرانا اپنے ذمے لیا اور اس غرض کے لیے تین گاؤں وقف کر دیئے۔ اس وقت سے موجودہ زمانے تک مصر ہی سے غلاف بن کر آتا رہا ہے۔ مصر میں ترکی سلاطین کا قبضہ ہو جانے کے بعد اس وقف میں سات گاؤں کا اور اضافہ کر دیا گیا اور اس عظیم وقف کی آمدنی سے ہر سال کعبے کا غلاف ہر پانچویں سال حجرۂ نبوی کے پردے اور منبر نبوی کا غلاف مصر سے بن کر آنے لگے۔ اس کے علاوہ خانۂ کعبہ کے اندر کے پردے بھی وقتاً فوقتاً اسی وقف سے بنا کر بھیجے جاتے تھے۔ مگر جب پچھلی صدی کے آغاز میں مصر کے وائسرائے محمد علی پاشا نے ترکی سلطنت سے بغاوت کر کے خود مختاری اختیار کر لی تو اس نے یہ وقف منسوخ کر دیا اور صرف غلاف کعبہ حکومت مصر کے خرچ پر بنوا کر بھیجنا شروع کر دیا۔

پہلے غلاف مختلف رنگوں کے ہوا کرتے تھے۔ مامون الرشید نے سفید رنگ کا غلاف چڑھایا تھا۔ محمد غزنوی کے غلاف کا رنگ زرد تھا۔ مصر کے فاطمی خلفاء سفید رنگ کے غلاف بھیجتے تھے۔ خلیفہ ناصر عباسی (۵۷۵۔۶۲۲ھ) نے ابتدا میں سبز غلاف بنوایا تھا۔ پھر سیاہ ریشم کا بنوا کر بھیجا۔ اس کے بعد سے سیاہ غلاف ہی بنوایا جاتا رہا اور آج تک یہی طریقہ جاری ہے۔

غلاف کعبہ کے چاروں طرف زری کے کام کی پٹی بنانے اور اس پر کعبے کے متعلق قرآن مجید کی آیات لکھوانے کا سلسلہ سب سے پہلے ۷۶۱ھ میں مصر کے سلطان حسن

نے شروع کیا تھا۔اس کے بعد سے یہ پٹی لگانے کا طریقہ آج تک چل رہا ہے۔

گزشتہ صدی کے آغاز تک غلاف کعبہ دنیا کے سیاسی حالات سے غیر متاثر رہا۔لڑائیاں ہوتی تھیں، سلطنتوں کے تعلقات بنتے اور بگڑتے تھے، مگر کعبے کے لیے غلاف جہاں سے آیا کرتا تھا وہیں سے آتا رہا۔لیکن اس صدی کے آغاز میں دنیا کے سیاسی حالات اس پر بھی اثر انداز ہونے لگے۔جنگِ عظیم اول میں جب ترکی سلطنت جرمنی کے ساتھ شریک جنگ ہوگئی تو اسے اندیشہ ہوا کہ انگریز مصر سے غلاف کے آنے میں مانع ہوں گے۔ اس لیے اس نے استنبول سے ایک نہایت شاندار غلاف بنوا کر حجاز ریلوے کے ذریعے مدینہ بھیج دیا۔مگر چونکہ مصر سے عین وقت پر غلاف پہنچ گیا تھا اس لیے وہ ترکی غلاف مدینہ طیبہ میں محفوظ کر دیا گیا۔۱۹۲۳ء میں شریف حسین اور حکومت مصر کے تعلقات خراب ہوگئے اور مصری حکومت نے عین حج کے موقع پر جدہ پہنچے ہوئے غلاف کو واپس منگوالیا۔خوش قسمتی سے اس وقت وہ مصری غلاف کام آگیا جو جنگ کے زمانے میں ترکی حکومت نے مدینہ طیبہ بھیج دیا تھا۔پھر ۱۹۲۸ء میں سلطان ابن سعود اور شریف حسین کی لڑائی کے زمانے میں مصر سے غلاف نہ آیا اور ابن سعود نے عراق کا بنا ہوا ایک غلاف چڑھا دیا جو شریف حسین نے احتیاطاً بنوا رکھ چھوڑا تھا۔ ۱۹۲۷ء میں ٹھیک یکم ذی الحجہ کو حکومت مصر نے غلاف بھیجنے سے انکار کر دیا اور ابن سعود کو فوراً مکے میں ایک غلاف بنوانا پڑا۔ پھر ۱۹۲۸ء میں بھی مصری غلاف نہ آیا اور امرتسر سے مولانا داؤد غزنوی اور مولانا اسماعیل غزنوی کے اہتمام میں غلاف بنوا کر بھیجا گیا۔ان تجربات کی بنا پر اسی زمانے میں مکہ معظمہ کے اندر ایک دارالکسوہ قائم کر دیا گیا تاکہ مصر سے آئے دن غلاف نہ آنے کی مصیبت کا مستقل علاج کر دیا جائے۔اس کارخانے میں مولانا اسماعیل غزنوی مرحوم کی مدد سے ہندوستان کے بہت سے کاریگر فراہم کیے گئے تھے۔

غلاف کعبہ جن کپڑوں سے تیار کیا جاتا رہا ان میں دیباج (ریشمی) نمارق

(ریشم اور اون سے تیار کردہ) اور خباطی مشہور ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے تمام ادوار میں خلفاء امراء اور بادشاہ خانۂ کعبہ کے پرانے غلاف پر نیا غلاف چڑھاتے تھے جس کی وجہ سے عمارت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہوگیا۔ اسی لیے خلیفہ عباس مہدی نے صرف ایک غلاف باقی رکھنے کا حکم دیا اور باقی غلافوں کو الگ کر دیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہی سلسلہ جاری ہے۔

غلافِ کعبہ کا کارخانہ

حرمین شریفین کے ساتھ سعودی حکومت کی خاص توجہ کے پیش نظر ملک عبدالعزیز آل سعود نے ۱۳۵۷ ہجری میں مکہ مکرمہ میں غلاف کعبہ تیار کرنے کے لیے ایک کارخانہ کی بنیاد رکھی جس میں کام کرنے والے تمام ماہرین اور کارکن سعودی تھے۔ ۱۳۹۲ ہجری مطابق ۱۹۲۷ء میں طے پایا کہ اس کام کے لیے ایک جدید کارخانہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ خادم حرمین شریفین شاہ فہد نے اس کی بنیاد رکھی۔ اس وقت وہ وزیر داخلہ اور مجلس وزرا کے نائب ثانی تھے۔ پھر ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ میں اس کا افتتاح بھی انہوں نے ہی کیا۔ اب یہ کارخانہ بُنائی اور رنگائی کے جدید ترین آلات سے مزین ہے۔ لیکن اس کام کو مشین کے بجائے ہاتھ سے ہی انجام دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ہاتھ کی کاریگری کو انسانی کمال اور فنی ورثہ تصور کیا جاتا ہے۔

غلاف کعبہ کی لمبائی ۱۴ میٹر ہے اور اس کے اوپر والے ایک تہائی حصہ میں غلاف کو باندھنے والی ڈوری ہوتی ہے۔ جس کی چوڑائی ۹۵ سینٹی میٹر ہوتی ہے اور اس پر چاندی پر پالش کیے ہوئے سونے سے قرآنی آیات لکھی جاتی ہیں۔ اس ڈوری کی لمبائی ۴۷ میٹر کے قریب ہوتی ہے۔ جو ۱۶ ٹکڑوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ڈوری والے حصے کے تھوڑا سا نیچے خطاطی میں سورۂ اخلاص اور چھ قرآنی آیات الگ الگ مربع شکل میں لکھی جاتی ہیں۔ بیچ والے حصہ میں چند اسلامی عبارتیں درج ہوتی ہیں یہ آیات خط ثلث میں لکھی جاتی ہیں۔ جو عربی میں سب سے خوبصورت خط ہے۔

کعبہ کے دروازے کا غلاف جسے برقعہ کے نام سے جانا جاتا ہے، عمدہ اور نفیس قسم کے کالے ریشم سے بنایا جاتا ہے۔اسی رنگ کا پورا غلاف بھی ہوتا ہے۔لیکن اس کے علاوہ اور جاذب نظر ترتیب و کتابت اس کو دوسرے حصے سے ممتاز بنا دیتی ہے ۔ان آیات کے نیچے اس خط اور اس انداز میں یہ عبارت درج ہوتی ہے۔یعنی۔''یہ غلاف مکہ مکرمہ میں تیار ہوا اور خادم حرمین کی طرف سے اسے خانۂ کعبہ کو بطور تحفہ پیش کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔'' اتنے عمدہ اور نفیس انداز میں تیار کیے گئے ایک غلاف پر ایک کروڑ ۷۰ لاکھ ریال خرچ ہوتے ہیں۔آیات وکلمات سے اس طرح مزین غلاف کعبہ سعودی عہد کی ایک یادگار بھی ہے۔تاریخ میں اس انداز کا غلاف کعبہ کبھی بھی نہیں بنایا گیا تھا۔غلافہ کعبہ کی تیاری میں سات سوکلوگرام خالص ریشم ہوتا ہے۔غلاف کا کپڑا ایک گز چوڑے پچاس تھانوں سے ۶۵۰ میٹر لمبائی میں تیار ہوتا ہے اندرونی حصے میں سفید موٹے کپڑے کا استر لگایا جاتا ہے۔

تاریخ حجر اسود

الازرقی (تاریخ مکہ میں) حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدمؑ آسمان سے اتارے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حجر اسود اور مقام ابراہیم کو بھی اتارا تاکہ آدمؑ ان کے ساتھ مانوس رہیں۔ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ طوفانِ نوح کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو جبل ابوقبیس پر محفوظ رکھا۔جب حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ تعمیر کیا تو جبریلؑ نے حجرِ اسود کو لاکر اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔الازرقی ان لوگوں سے نقل کرتے ہیں جو حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی تعمیر کعبہ میں بذات خود شریک تھے کہ کعبے کو آگ لگنے سے حجر اسود کے تین ٹکڑے ہوگئے تھے۔ایک چھوٹا سا ٹکڑا اڑ کر کسی طرح بنو شیبہ کے کسی آدمی کے ہاتھ لگ گیا اور مدتوں اس خاندان میں محفوظ رہا۔پھر عبداللہ بن زبیرؓ نے حجرِ اسود کے ٹکڑوں کو چاندی کے تار سے باندھ دیا۔

جب مرورِ زمانہ سے یہ تار ڈھیلا ہو گیا اور حجر اسود کے ٹکڑے ہلنے لگے تو خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے اپنے عہد خلافت میں حجر اسود میں آر پار سوراخ کر کے اس میں چاندی بھروادی۔

مورخین کا بیان ہے کہ ابو طاہر قرمطی جب مکے آیا (۸ ذی الحجہ ۳۱۹ھ) تو اس نے جعفر بن فلاح معمار کو حجر اسود کو کعبے سے اکھاڑنے کا حکم دیا، چنانچہ اس نے پیر کے دن ۱۴ ذوالحجہ کو اکھاڑا اور اپنے ساتھ بلادِ حجر (الحسا) لے گیا۔ خاصے عرصے تک خانۂ خدا حجر اسود سے خالی رہا اور لوگ تبرکاً اس کی جگہ پر ہاتھ رکھنے پر اکتفا کیا کرتے تھے۔ حتی کہ منگل ۳۳۹ھ کو یوم النحر کو حجر اسود کو واپس اس کی جگہ نصب کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ سنبر بن حسن قرمطی نے حجر اسود کو دوبارہ اس کی جگہ پر نصب کیا تھا۔ جب لوگوں نے حجر اسود کو دیکھا تو سجدۂ شکر بجالائے اور اسے بوسہ دیا۔ یوم النحر کو لوگوں کے زیارت کعبہ کے لیے آنے سے قبل حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کر دیا گیا تھا۔ اس کے ایک سال بعد ۳۴۰ھ میں کعبے کے دربانوں نے ڈر کے مارے سنبر قرمطی کے نصب کردہ حجر اسود کو اکھاڑ کر کعبے میں رکھ دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ حجر اسود کے گرد چاندی کا ایک مضبوط حلقہ بنا دیا جائے تاکہ کوئی شخص اسے اکھاڑ نہ سکے۔ ابن زبیرؓ نے تعمیر کعبہ کے وقت اسی طرح کیا تھا، چنانچہ دو ماہر کاریگروں کو اس کام پر مامور کیا گیا جنھوں نے چاندی کا یہ حلقہ تیار کر دیا۔ تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ قرامطہ کے حجر اسود کو واپس کر دینے کے بعد بھی کسی نے آج تک حجر اسود کو اس کی جگہ سے اکھاڑنے کی کوشش کی ہو۔

حجر اسود کی خصوصیات

حجر اسود میں اللہ تعالیٰ کی چند آیات بینات پائی جاتی ہیں:

(۱) زمین پر آنے کے بعد حجر اسود عظیم حوادث مثلاً طوفانِ نوح وغیرہ سے دوچار

ہونے کے باوجود بھی جوں کا توں محفوظ رہا۔

(۲) محدث ابن جماعہ کے مطابق حجر اسود کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس کو کئی مرتبہ اپنی جگہ سے اکھاڑا گیا، مگر وہ اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ مثلاً قبیلۂ جرہم، بنوایاد اور قرامطہ نے حجر اسود کو اکھاڑا، مگر اسے پھر واپس لایا گیا۔

(۳) جب قرامطہ حجر اسود کو اکھاڑ کر لے گیا تو اس کو باری باری چالیس اونٹوں پر لادا گیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ جب قرامطہ نے اسے واپس کیا تو ایک نحیف اونٹ پر لادا گیا اور وہ پہلے سے موٹا ہو گیا۔ اس کا محدث الذہبی نے بھی ذکر کیا ہے۔

(۴) اسی طرح جب حجر اسود کو بلادِ ہجر کی جانب لایا گیا تو یکے بعد دیگرے اس کو لادنے سے پانچ سو اونٹ ہلاک ہو گئے۔

(۵) حجر اسود پانی پر تیرتا ہے ڈوبتا نہیں۔

دنیا بھر سے لوگ کھنچ کھنچ کر آتے ہیں اور اس بوسہ گاہ جہاں (حجر اسود) پر اپنے بوسوں کی بارش کر دیتے ہیں۔ صدیاں گزر گئی ہیں اور لوگ اس سیاہ پتھر کو بوسہ دے رہے ہیں جسے حجر اسود کہتے ہیں۔

یہ بیت اللہ کی عمارت کے ایک کونے میں ملتزم کے پاس نصب ہے۔ جس کے مقابل رکن شامی ہے اور یہ گوشہ بیت المقدس کی سمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

یہ سیاہ پتھر صدیوں سے چوما جا رہا ہے۔ اس لیے کہ اسے حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی عمارت کے اس کونے میں نصب کیا تھا۔ یہ عمارت بیسیوں بار مسمار ہوئی۔ سیلاب میں بہہ گئی پھر دوبارہ تعمیر ہوئی اور بار بار تعمیر ہوتی رہی۔ شاید تعمیر ابراہیمی میں سے یہی ایک پتھر ہے جو اس سابقہ عمارت کے نشان کے طور پر محفوظ رہ گیا ہے۔ یہ پتھر ۵ ہزار سال سے محفوظ چلا آ رہا ہے، اسے عمارت ابراہیمی کی نشانی بھی کہا جا سکتا ہے۔

بوسہ گاہ جہاں

یہ پتھر طواف کعبہ کی نشانی کے طور پر بھی کام دیتا ہے۔ یہاں سے طواف شروع ہوتا ہے اور یہیں ختم ہوتا ہے اور اس طرح ایک چکر مکمل ہوتا ہے۔ سات چکر مکمل کرنے کے لیے سات بار اس پتھر کو چومنا یا چھونا یا دور سے استلام کر کے گزر جانا ہوتا ہے۔

اگر چہ یہ ایک معمولی پتھر ہے۔ نہ اس میں کوئی کرامت ہے اور نہ یہ کسی کرامت کا نتیجہ ہے اور نہ اس میں کوئی غیبی طاقت ہے اور نہ اس سے کوئی غیبی روایت منسوب ہے۔ بس قدامت اور حضرت ابراہیمؑ سے نسبت ہی اس کی خوبی ہے۔ لیکن اس خوبی نے ہی اسے محبوبِ جہاں اور بوسہ گاہ جہاں بنا دیا ہے۔ کتنے ہی ولیوں، نبیوں اور بزرگوں کے ہونٹوں نے اسے چوما ہے۔ جب ہم اسے چومتے ہیں تو یقین رکھتے ہیں کہ اسے چومنے کے تعلق سے کتنے ہی بزرگوں، نبیوں اور خود حضور اکرمؐ کے ہونٹوں سے بالواسطہ لمس کا فخر ہمیں حاصل ہو جاتا ہے۔

شہر مکہ کا ذرّہ ذرّہ بدل گیا ہے، کعبہ کی اینٹ اینٹ بدل گئی ہے۔ مگر یہ پتھر جس پر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے مقدس لبوں نے اپنا بوسہ ثبت کیا ہے، آج بھی ہمارے لیے ان کے درمیان ایک غیرِ محسوس لمس کا واسطہ بنا ہوا ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک پتھر ہی ہے۔ اس سے زائد کچھ بھی نہیں ہے۔

توحید کے ایک متوالے (حضرت عمر فاروقؓ) نے اسے چومتے ہوئے خوب کہا تھا:

> ''اے کالے پتھر، میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک معمولی پتھر ہے۔ نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لیکن میں تجھے اس لیے بوسہ دیتا ہوں کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔''

یہ بوسہ تعظیم کا نہیں ہے۔ یہ صرف اس محبت کا بوسہ ہے جو ملت ابراہیمی کو

حضرت ابراہیمؑ اور ان کے کارنامے سے ہے۔ ورنہ اگر کوئی شخص نہ اسے چھوئے نہ بوسہ دے اور نہ اشارہ کرے تو اس کے حج کی ادائیگی میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا۔

لیکن پھر بھی یہ کالا پتھر دن رات بوسوں کی بارش سے سرشار رہتا ہے اور ملت ابراہیمی کا ملی شعار بنا ہوا ہے۔

دورِ جاہلیت میں تعمیر کعبہ کے ایک موقع پر اسی پتھر کو دوبارہ عمارت میں نصب کرنے کے جھگڑے نے ایک خوں ریز نزاع کی صورت اختیار کر لی تھی اور قریب تھا کہ قریش کے قبائل حرم کعبہ کو لالہ زار کر دیں۔ لیکن حضور اکرمؐ کے حسن تدبیر نے اس خونریز نزاع کو انتہائی خوبی سے نپٹا دیا تھا۔ آپؐ نے ایک چادر میں حجر اسود کو رکھا اور تمام سردارانِ قبائل قریش سے کہا کہ اسے اٹھا کر پتھر نصب کرنے کے مقام تک اوپر اٹھا کر لائیں اور جب پتھر اس جگہ تک اٹھایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اسے اپنی جگہ نصب کر دیا تھا۔

مقامِ ابراہیمؑ

بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے حجر اسود سے دائیں طرف مطاف کے کنارے پر ایک پتھر رکھا ہوا ہے جس کا طول دس بالشت اور عرض سات بالشت ہے۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کے پاؤں کا نشان ہے۔ اسی لیے اسے مقام ابراہیمؑ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کا کام مکمل کیا تھا اور بعد میں اسی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو ترغیب حج کا وعظ فرمایا کرتے تھے۔ یہ پتھر مدتوں سے کعبہ شریف کے احاطے میں پڑا تھا یہاں تک کہ حضور اکرمؐ نے اس پتھر کے رکھے جانے کے لیے یہ جگہ مقرر فرمائی۔

طواف کے بعد لوگ اسی جگہ آ کر دوگانہ نوافل شکرانہ ادا کرتے ہیں۔

اس جگہ نماز دوگانہ پڑھتے ہوئے آدمی کا رخ سیدھا در مولیٰ یعنی ملتزم کی طرف ہوتا ہے اور طواف کی گردش عاشقانہ سے فارغ ہونے کے بعد جب ایک

شخص مالک الملک کے حضور میں نوافل شکرانہ ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو پھر یوں احساس ہوتا ہے کہ اس کا سجدہ سیدھا پائے ربانی پر پڑ رہا ہے۔ایسی نماز اور ایسی کیفیت زندگی میں روز روز میسر نہیں آتی جو کیفیت اور ایک وفادار مسلمان کو مقام ابراہیمؑ پر نماز پڑھتے ہوئے محسوس ہوتی ہے۔ یہ اس کا مقام ہے جس کی پکار پر یہ حج فرض کیا گیا ہے اور جس کی پکار پر دنیا بھر کے مسلمانان ملتِ ابراہیمی ہر طرف سے یہاں کھنچے چلے آتے ہیں۔

مقام ابراہیم پر ایام حج اور غیر ایام حج میں بھی طواف کرنے والوں کو کافی دشواری محسوس ہوتی تھی۔ اس لیے ایسی صورت نکالی گئی کہ کعبہ سے متصل مکانوں کو ختم کر دیا جائے۔ پہلے چاہ زم زم اور مقام ابراہم پر بھی مکانات بنے ہوئے تھے اور منبر بھی الگ سے بنا ہوا تھا۔ لہٰذا سب سے پہلے چاہ زم زم پر بنی عمارت کو ختم کر دیا گیا اور اس کا راستہ زیر زمین بنا دیا گیا۔ اب حجاج سیڑھیوں سے چاہ زم زم کے اندر جاتے ہیں جو مطاف کے نیچے واقع ہے۔ منبر کو بھی مشرقی جانب منتقل کر دیا گیا۔

روایات کے مطابق مقام ابراہیم اس پتھر کو کہتے ہیں جس کے پاس ائمہ نماز پڑھاتے ہیں۔ یہ وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔ جب دیوار بلند ہو گئی تو اسمٰعیل علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام کو پتھر دیتے اور اس طرح دیوار مکمل کی گئی۔ جب ایک جانب دیوار مکمل ہو جاتی تو وہ پتھر خود بخود دوسری طرف منتقل ہو جاتا۔ اس طرح پورے خانہ کعبہ کا ایک چکر لگا کر دیوار مکمل کی گئی۔

خوبصورت شیشے کا خول

مقام ابراہیم پر پہلے بہت ساری چیزیں اور عمارتیں بنی ہوئی تھیں جن کی کوئی ضرورت نہ تھی اور وہ نمازیوں اور طواف کرنے والوں کے لیے دشواریوں کا سبب

تھیں۔ رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیس نے اس موضوع پر غور وفکر کرنے کے بعد ان چیزوں کو وہاں سے ختم کرادیا۔ رابطہ عالم اسلامی کی قرار داد میں جو کہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں منظور کی گئی تھی، کہا گیا تھا کہ مقام ابراہیم کے اوپر مضبوط قسم کے شفاف شیشے کا ایک خول بنایا جائے۔ یہ خول گول ہو اور اتنا بلند ہو کہ طواف کرنے والے اس سے ٹھوکر نہ کھا سکیں۔ اس سے ایک تو مطاف کی جگہ میں اضافہ ہو جائے گا دوسرے یہ کہ سب لوگ بہ آسانی مقام ابراہیم کا مشاہدہ کرسکیں گے۔ اور تیسری بات یہ کہ بہت سے لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ موجودہ عمارت کے اندر ابراہیم علیہ السلام کی قبر موجود ہے۔ اس کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ مقام ابراہیم کی عمارت ۶×۳ میٹر یعنی ۱۸ میٹر مربع تھی۔ جبکہ مقام ابراہیم کا حجم ۴۰×۴۰ سینٹی میٹر سے زیادہ نہیں تھا۔ مقام ابراہیم کو کرسٹل کے قیمتی شیشے میں بند کرکے اوپر سے سنگ مرمر اور لوہے کا خول بنا دیا گیا۔ اس کا مجموعی حجم ۱۸۰×۱۳۰ سینٹی میٹر ہے۔ اس طرح مطاف کے اندر تقریباً پانچ میٹر کا اضافہ ہو گیا۔ شیشے کے اس خول کی چوڑائی ۸۰ سینٹی میٹر، موٹائی ۲۰ سینٹی میٹر اور لمبائی ۱۰۰ سینٹی میٹر ہے۔ مقام براہیم کو ۷۵ سینٹی میٹر اونچے پیتل کے پیندے کے اوپر رکھا گیا ہے۔ اس پورے خول کا وزن ۱۷۰۰ کلوگرام ہے۔ جس میں ۶۰۰ کلوگرام صرف وہ پیتل ہے جس پر مقام ابراہیم رکھا گیا ہے۔ اندر سے بھی سنگ مرمر کا خول بنا دیا گیا ہے۔ لوہے کا جو خول بنا ہوا ہے اس کی لمبائی تقریباً تین میٹر ہے۔ ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں اس شکل میں مقام ابراہیم بنا دیا گیا تھا۔

آب زم زم

زم زم متعدد ناموں سے موسوم ہے۔ لسان العرب میں اس کے حسب ذیل نام بتائے گئے ہیں۔ زمزم، مکتومہ، مفتونہ، شباعۃ، ستیان، الرواء، رکفتہ، زوارم، زوزم۔ (لسان العرب جلد ۱۵ صفحہ ۱۶۶)۔

زمزم کی وجہ تسمیہ:

مورخین کا بیان ہے کہ زمزم کو زمزم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے پانی کے نکلنے سے زمزمہ پیدا ہوتا ہے۔ عربی لغت میں زمزم اور زمزمہ کے معنی ہیں دور سے گھنگھناہٹ سنائی دینا۔ فرشتے کے زمین پر ایڑھی مارنے سے جب پانی نکلنا شروع ہوا تو اس سے جو زمزمہ (آواز) حضرت ہاجرہؑ نے سنا اسی پر اس کو زمزم کہہ کر پکارا گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ سریانی زبان میں زمزم کے معنی ٹھہر کے ہیں۔ چشمے سے جب پانی ابلنے لگا تو حضرت ہاجرہؑ نے منڈیر بنا کر اس کو روکنا چاہا۔ اس موقع پر بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا "زمزم"۔ اس لیے یہ چشمہ زمزم کے نام سے موسوم ہو گیا۔

زمزم کی تولیت:

حضرت اسماعیلؑ جب بڑے ہو گئے تو انہوں نے قبیلہ جرہم کی ایک خاتون سے شادی کر لی۔ خدا تعالیٰ نے انہیں ۱۲ بیٹے دیئے اور یہ سب حسب بشارت ربانی خاندان کے بارہ سردار ہوئے ان میں سے ایک کا نام قیدار تھا۔ آنحضرت ﷺ ان ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل کے بعد ان کے بڑے فرزند ثابت (نبایوط) زمزم کے متولی ہوئے۔ ثابت کے انتظام کے بعد ان کے نانا مضاض نے اس منصب پر قبضہ کر لیا (اخبار مکہ ۴۸) عرصہ تک بنی جرہم میں مضاض کی اولاد زمزم کی نگہبانی کرتی رہی۔ یہاں تک کہ عرب کے ایک قبیلہ خزاعہ نے زمزم کو بنی جرہم سے چھین لیا۔ جرہم کے سردار عمر بن حارث نے جب یہ متاع عزیز چھنتی دیکھی تو زمزم کو بند کر کے بے نام ونشان کر دیا۔ پانچویں صدی عیسوی میں آب اسماعیل کو اپنے ایک پر جوش اور باہمت سردار قصی بن کلاب کی قیادت میں پھر بیت اللہ کی نگہبانی کا منصب جلیل حاصل ہو گیا۔

قصی کی چوتھی پشت میں عبدالمطلب کی، جو آنحضرت کے دادا تھے اور پورے

قریش میں دانشمندی اور قابلیت میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، بڑی خواہش تھی کہ زمزم کو جو عرصہ سے بند اور بے نام ونشان ہے کسی طرح اس کا پتہ چل جائے تو اسے پھر سے جاری کر دیں۔ ایک مرتبہ خواب میں حضرت عبدالمطلب نے اس کا نشان دیکھا صبح کو وہ جگہ کھودی تو زمزم موجود تھا۔ پھر از سرنو پانی جاری ہو گیا۔

زمزم کی فضلیت:

زمزم کا پانی صرف پیاس ہی نہیں بجھاتا بلکہ اس میں غذائیت بھی ہے وہ جسم کو پروان چڑھاتا اور قوت ہاضمہ کو مدد دیتا ہے۔ اس نے حضرت ہاجرہؓ کو حصول معاش سے مطمئن کر دیا۔ زمزم کی فضلیت میں کتب احادیث میں متعدد روایتیں منقول ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ وہ جب آغاز اسلام کے زمانے میں آنحضرت کی نبوت کی خبر سن کر مکہ مکرمہ آئے تو ان کو پورے ایک مہینے تک بارگاہ نبوت میں حاضری کا موقع نہ مل سکا۔ زادِ راہ کچھ بھی موجود نہ تھا۔ صرف زمزم کا پانی پی کر مدت بسر کی۔ معجم کبیر طبرانی میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ ہم زمزم کو شباعہ بھی کہتے ہیں یعنی سیر کرنے والا کیونکہ اس کے پینے سے پیٹ بھرتا ہے اور ہم اہل وعیال کے لیے اسے اچھی چیز پاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا "بہترین پانی دنیا میں آب زمزم ہے" حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک تیسری روایت ہے۔ دار قطنی میں یوں منقول ہے۔ زمزم کا پانی جس غرض کے لیے پیا جائے وہی غرض پوری کرتا ہے۔ اس کو کوئی شفاء کی غرض سے پئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دے گا اگر کوئی سیر ہونے کے لیے پیئے گا تو اللہ اس کو سیر کرے گا اور اگر پیاس بجھانے کے لیے پیئے گا تو اس کی پیاس بجھ جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی پیاس کم سنی میں بجھائی اگر تو اس کو اللہ کی پناہ مانگنے کے لیے پیئے گا تو تجھ کو پناہ دے گا" جامع صغیر میں ہے:

"زمزم کا پانی اور جہنم کی آگ دونوں انسان کے شکم میں جمع نہیں ہو سکتے"۔ فتاوی عالمگیر میں ہے کہ زمزم کا پانی خود اپنے ہاتھ سے نکالا جائے اور قبلہ کی جانب رخ کر کے خوب سیر ہو کر پیا جائے اور ہر سانس پر نظر اٹھا کر بیت اللہ شریف کو دیکھے اور بچا ہوا پانی اپنے منہ اور جسم پر مل لیا جائے اور اگر ہو سکے تو کچھ اوپر بھی ڈال لیا جائے۔ حضورﷺ نے خود دست مبارک سے کھینچ کر آب زمزم نوش فرمایا تھا۔ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینے کے بجائے کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے آب زمزم کھڑے ہو کر پیا۔ آنحضرت کو زمزم بہت مرغوب تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضورﷺ نے مکہ کے نامور خطیب سہیل بن عمرؓ کو خط لکھ کر زمزم کی دو مشکیں اونٹ پر لدوا کر خدمت اقدس میں مدینہ منورہ بھیج دیں۔ مرحوم سلطان ابن سعود اور برطانوی وزیر اعظم مسٹر چرچل کی ایک ملاقات میں سلطان کے خادم نے آب زمزم کا ایک گلاس مسٹر چرچل کو پیش کیا۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے چرچل نے لکھا ہے کہ "سلطان کے خادم نے مجھے آب زمزم کا ایک گلاس پیش کیا جو اتنا شیریں اور لذیذ تھا جیسا میں نے زندگی بھر کبھی نہیں پایا"۔ (روزنامہ پیام وطن دہلی ۲۹ نومبر ۱۹۵۵ء)

زمزم کی کیمیائی تحلیل:

موجودہ سائنسی دور میں زمزم کے پانی کی کیمیائی تحلیل سے اس میں حسب ذیل معدنی اجزا کا انکشاف ہوا ہے۔

۱۔ میگنیشم سلفیٹ:

اس کا استعمال اعضاء کی حرارت کو دور کرتا ہے۔ قے، متلی اور دردِ سر کے لیے بے حد مفید ہے۔ دست آور ہوتا ہے اور استسقاء کے لیے بڑا نفع بخش ہے۔ جسم کے فاسد مادّے کو ختم کر کے مضر اجزا کی بیخ کنی کرتا ہے۔

۲۔ سوڈیم کلورائیڈ:

انسانی خون کے لیے یہ نمک بہت اہمیت رکھتا ہے۔ تنفس کی صفائی اور جسمانی نظام کی برقراری کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ آنت اور پیٹ کے مسلسل درد اور ہاضمے میں بے حد نفع بخش سمجھا جاتا ہے۔ متعدد قسم کے زہروں کے لیے بہترین تریاق ہے۔ خصوصاً کوئلے کے دھوئیں کی زہریلی گیس کاربن مونو آکسائیڈ کے اثرات فوراً اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ یہ نمک اجزاء کی کمزوری کو بھی دور کرتا ہے۔

۳۔ کیلشیم کاربونیٹ:

خوراک کو ہضم کرنے، پتھری کو توڑنے اور وجع المفاصل کے لیے مفید ہے۔ اعضاء کی حدت اور لو کا اثر زائل کرنے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

۴۔ پوٹاشیم نائیٹریٹ:

تھکن اور لو کے اثر کو زائل کرتا ہے۔ پیشاب آور ہے، دمہ کے لیے بھی مفید ہے۔ پسینہ خوب لاتا ہے۔ زمزم کے پانی کو ٹھنڈا رکھنے میں اس کا بڑا حصہ ہے۔

۵۔ ہائیڈروجن سلفائیڈ:

تمام جلدی امراض خصوصاً خنازیر کے لیے نفع بخش سمجھا جاتا ہے۔ شدید زکام میں اس کے استعمال سے راحت محسوس ہوتی ہے۔ جراثیم کش ہے اس لیے اس کے استعمال سے ہیضے کے جراثیم ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ قوت حافظہ اور دوسری دماغی قوتوں کو تقویت پہنچاتا ہے اور غذا کو ہضم کر کے بھوک بڑھاتا ہے۔ بواسیر کے مریضوں کے

لیے بھی مفید ثابت ہوا ہے۔ ہائیڈروجن سلفائیڈ زمزم میں خاص طور سے موجود ہے۔ تازہ زمزم پینے سے اس کا اثر بہت ہوتا ہے۔ غرضیکہ آبِ زمزم نہ صرف ہر قسم کے جراثیم سے پاک ہے بلکہ بہت سے فوائد کے لحاظ سے خاص اثر رکھتا ہے۔ بعض قدرتی چشمے جو زمین کے طبقات میں کیمیائی اجزاء کے مخزن سے گزر کر ابلتے ہیں، مخصوص خواص رکھتے ہیں اور اکثر ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ جن سے ہزاروں انسان مستفید ہوتے ہیں۔ زمزم کو جاری ہوئے چار ہزار سال گزر چکے ہیں روزانہ بے شمار آدمی اس کا پانی پیتے ہیں اور تبرک کے طور پر آب زمزم دنیا کے ہر خطے میں پہنچتا ہے اور ہر وقت اس کا پانی نکلتا ہے۔ مگر اس میں کبھی کمی نہیں آئی۔ آب زمزم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ خواہ کتنی ہی مدت تک رکھا رہے۔ مگر اس میں بو پیدا نہیں ہوتی۔

زم زم ہاؤس

جب ۱۳۷۷ھ میں مطاف کے پہلے سعودی منصوبے کا نفاذ ہوا تو زم زم ہاؤس کی تعمیر کا نیا فنی خاکہ تیار کیا گیا۔ اس میں حجاج بیت اللہ اور زائرین مسجد حرام کے آرام کا مکمل خیال رکھا گیا اور پانی پینے کے لیے مردانہ و زنانہ مقامات کی تعمیر کی گئی۔ شروع شروع میں زم زم ہاؤس مطاف میں داخل تھا۔ مگر نئے منصوبے کے تحت پرانے گھر کو توڑ کر اس کی جگہ تہہ خانے میں زم زم ہاؤس کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس گھر کی چھت مطاف سے بالکل متصل ہے۔ جس کی وجہ سے پانی کے حصول میں انتہائی سہولت ہوگئی ہے۔ اس گھر کے لیے کعبہ کی سمت میں مضبوط دیوار قائم کر دی گئی ہے جسے سنگ مرمر سے ڈھانپ دیا گیا ہے اور نصف دائری شکل کے لوہے کے پائپوں کے ذریعہ اس کے درمیان رکاوٹ قائم کر دی گئی ہے اور پولسٹرین کی شفاف پلیٹ لگا دی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے چاہ زم زم کو صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مطاف کے فرش پر چاہ زم زم

کا مقام ظاہر ہے۔ سیاہ سنگ مرمر کا ایک گول دائرہ بنا ہوا ہے جس پر زم زم لکھا ہے۔ یہی زم زم کا مقام ہے اور یہ دائرہ دراصل کنوئیں کا ڈھکن بھی ہے جو ضرورت کے وقت کھولا جاتا ہے۔

آب زم زم کی تقسیم

اصل کنویں سے متصل سنگ مرمر کی دیواریں ہیں جن پر بے شمار ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ انتظام کیا گیا ہے۔ پانی کو ٹھنڈا کرنے کے بعد اس کی سپلائی ہوتی ہے۔ مسجد کے تمام حصوں میں آب زم زم کی تقسیم کا انتظام ہے۔ تہہ خانے سے لے کر تمام بالائی منزلوں پر یہ پانی دستیاب ہے۔ مقام ہجل میں ملک عبدالعزیز کی سبیل بھی ہے جہاں سے چالیس ٹن آب زم زم یومیہ مدینہ منورہ مسجد نبوی بھیجا جاتا ہے۔

پانی نکالنے اور ٹھنڈا کرنے کا کام کمپیوٹر کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اسے مقین پر شعاؤں کے نیچے سے گزارا جاتا ہے تاکہ جراثیم کا خدشہ دور کیا جا سکے۔ ۱۹۸۴ء کے منصوبے کے تحت پانی ٹھنڈا کرنے کی فیکٹری قائم کی گئی ہے۔ یہ فیکٹری شاہ فہد نے اپنے ذاتی خرچ پر بنوائی تھی اور اس کی ساری پیداوار مسلمانوں کو گفٹ کر دی گئی۔ فیکٹری نے اپنی پیداوار کا آغاز ڈھائی ملین ٹھنڈے پانی کے پلاسٹک کے تھیلیوں سے کیا جن میں ایک لیٹر پانی ہوتا ہے۔ یہ پانی کے تھیلے حجاج اور زائرین میں مفت تقسیم کیے جاتے ہیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس کی پیداوار بڑھ کر ۵۰،۰۰۰،۰۰۰ تھیلیوں تک پہنچ گئی۔

آب رسانی کا شعبہ مغربی علاقے میں واقع اس فیکٹری کی جملہ کارروائیوں،

تھیلیوں کی تقسیم اور صفائی کے ساتھ جراثیم کش وغیرہ کے کاموں کی بھی نگرانی کرتا ہے۔
اس فیکٹری میں چار مکمل طور پر آٹو میٹک پمپ ہیں۔اس پانی کو جراثیم کش مشینوں کے ذریعہ گزارا جاتا ہے اور پھر ٹھنڈا کر کے پلاسٹک کے تھیلوں میں بند کیا جاتا ہے۔ پانی کی سپلائی عبدالعزیز ایئر پورٹ جدہ، مکہ، منیٰ، مدینہ اور تمام مقامات مقدسہ اور حاجیوں کے مقام آمدورفت تک پہنچادی گئی ہے۔اس فیکٹری کے پاس دوسو سے زائد کولڈ گاڑیاں ہیں جو متعین مقامات پر کھڑی رہتی ہیں اور مفت پانی تقسیم کرتی ہیں۔ ○○

کوئے حرم سے سوئے مدینہ

قصر العین پہنچتے ہی ہم لوگوں کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ صبح چار بجے طواف وداع کرنا ہے۔ کیونکہ اگلے روز یعنی ۲؍جنوری ۱۳؍ذی الحجہ کو مدینہ منورہ کے لیے روانگی ہے۔ صبح تین بجے ہی کسی نے آکر جگا دیا کہ چلو گاڑی کھڑی ہے، طوافِ وداع کرنے جانا ہے۔ ابھی شام کے وقت اپنا سامان لے کر کمروں میں آئے تھے کہ پھر اپنے سامان کے ساتھ نیچے اترنا پڑا۔ سب لوگ اپنا اپنا سامان لے کر بذریعہ لفٹ نیچے جارہے ہیں۔ وہاں سامان مکہ مکرمہ جانے والی بس میں لادنے کے لیے چھوڑ دیا گیا اور ہم لوگ بذریعہ لگزری بس خانۂ کعبہ روانہ ہوگئے۔ ہم لوگ جس وقت خانۂ کعبہ پہنچے نماز فجر کا وقت قریب تھا۔ مسجد میں پہلے سے موجود نمازیوں کو نئے آنے والوں سے پریشانی نہ ہو، اس لیے تمام بڑے بڑے گیٹ بند کردئے گئے ہیں۔ چھوٹے گیٹ کھلے ہوئے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز بھٹکلی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس گروپ میں شامل ہیں۔ کئی بند دروازوں کو دستک دینے کے بعد ایک کھلا دروازہ مل گیا۔ افرا تفری کے عالم میں اندر گئے اور بڑی مشکل سے ایک مختصر سی جگہ ملی جہاں ہم نے دو رکعت سنت ادا کی اور پھر فجر کی نماز پڑھ کر مطاف کی طرف چل پڑے۔ بھیڑ کافی تھی پھر بھی مولانا عبدالعزیز بھٹکلی کے سابقہ تجربے سے فائدہ اٹھایا گیا اور نسبتاً کم وقت میں طواف مکمل ہوگیا۔ باب عبدالعزیز کے سامنے یکجا ہونے کا پلان بنایا گیا۔ دل نے بار بار کہا کہ ایک بار پھر طواف کا دلنواز منظر اور ہو سکے تو چھت پر چڑھ کر دیکھ آئیں۔ مگر اس خدشے نے تمناؤں کی ہمت توڑ دی کہ ہمیں دیر ہوگئی اور ہمارا قافلہ

مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگیا تو کیا ہوگا۔تھوڑی دیر کے بعد مولانا سید احمد بخاری اور مولانا عمید الزماں کیرانوی بھی آ گئے اور احمد بخاری نے ناشتہ کرنے کی خواہش ظاہر کی۔انہوں نے مولانا عمید الزماں اور ہمیں ساتھ لیا اور قریب کے ایک پاکستانی ہوٹل میں چلے گئے۔انتہائی سرد ہوائیں چل رہی ہیں، صبح کا وقت ہے، مگر مسجد حرام کے اطراف میں جو گہما گہمی ہے وہ قابل دید ہے۔ یہاں ہم لوگ سید احمد بخاری کی ایک بڑی خوبی سے آشنا ہوئے۔ان میں یہ فخر بالکل نظر نہیں آیا کہ وہ دہلی کی جامع مسجد کے شاہی امام ہیں اور نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک میں انہیں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں وہ شاہی امام اور شاہی مہمان نہیں بلکہ ایک عام سے انسان نظر آئے۔ وہ اپنی موجودگی میں کسی کو کوئی کام نہیں کرنے دیتے۔انہو ں نے کاؤنٹر پر خود ہی پیسہ دیا، خود ہی کھانے کی لائن میں لگے اور خود ہی کھانا لے کر آئے۔ہم لوگوں نے بہت اصرار کیا لیکن انہوں نے مسکرا کر منع کر دیا اور کہا کہ آپ لوگ میز پر بیٹھیں میں کھانا لا رہا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ چپکے سے اٹھ کر چلے گئے اور کافی دور سے خود ہی چائے لے کر آ گئے۔ ہوٹل کے لوگ چونکہ ان کو پہچانتے نہیں تھے اس لیے وہ ان کے ساتھ بھی وہی عامیانہ برتاؤ کر رہے تھے جو دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں مگر ان کی پیشانی پر ذرا بھی شکن نہیں آئی اور وہ مسکراہٹوں کے ساتھ سب کچھ برداشت کرتے رہے۔

حاجیوں کا اشتیاقِ فراواں

ہمارے منتظمین کو جب یہ یقین ہوگیا کہ تمام ہندوستانی باب عبدالعزیز پر جمع ہوگئے ہیں اور اب کوئی نہیں بچا ہے تو انہوں نے کوچ کا حکم دیا اور ہم لوگ مسجد حرام کے دامن میں واقع اس بیسمنٹ میں پہنچ گئے جہاں مدینہ منورہ جانے والی درجنوں

لگژری بسیں کھڑی ہیں۔ ہم لوگوں کو ایک بس میں بٹھا دیا گیا اور بس بیسمنٹ سے نکل کر کھلی سڑک پر آ گئی۔ تقریباً نصف گھنٹے کے بعد بس میں ناشتہ تقسیم ہوا۔ بس میں اے سی اتنا تیز چل رہا ہے کہ ڈاکٹر حبیب اللہ کو بار بار ڈرائیور سے اے۔ سی بند کرنے یا کم کرنے کی درخواست کرنی پڑتی ہے۔ مکہ سے مدینہ کی مسافت ۴۶۰ کلومیٹر ہے اور ڈرائیور بہت آرام آرام سے ڈرائیو کر رہا ہے۔ یہاں کی سڑکیں انتہائی شاندار ہیں۔ شہروں کی سڑکیں ہوں، یا پہاڑوں کے درمیان سے گزرنے والی یا پھر صحرائی جنگلوں سے نکلنے والی۔ یہ سڑکیں ہندوستان کے نیشنل ہائی ویز کی مانند نہیں بلکہ ان سے بھی کہیں بہتر ہیں۔ اس لیے ۴۶۰ کلومیٹر کا سفر اور بس سے۔ مگر کہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ نہ سڑکوں میں گڈھے اور نہ بس میں جھٹکے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ ہم بس سے نہیں ٹرین سے چل رہے ہیں۔ سڑکوں کے دونوں طرف جگہ جگہ پٹرول پمپ بنے ہیں اور ان پٹرول پمپوں کے برابر میں مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں۔ مردوں کی الگ مسجدیں اور خواتین کی الگ۔ ساتھ ساتھ مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ بہت بڑے بڑے باتھ روم بھی بنے ہیں۔ کوئی بھی پٹرول پمپ ایسا نظر نہیں آیا جس کے پاس مسجد نہ ہو۔ جگہ جگہ ہوٹل بھی ہیں جہاں لوگ آ کر کھانا کھاتے ہیں، ان میں کچھ ہوٹلوں میں اچھا کھانا ملتا ہے اور کچھ میں عام سا۔ ہند و پاک کے مزاج اور ذوق کے بھی ہوٹل ہیں۔ ڈرائیور نے ظہر کی نماز کے وقت ایک مسجد کے پاس بس روکی اور ہم لوگوں نے نماز ادا کی۔ بس پھر چل پڑی۔ وہ جوں جوں مدینۃ النبیؐ کے قریب ہوتی جا رہی ہے حجاج کے جوش جنوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مسجد حرام تو دیکھ لی، طواف کر لیا، نمازیں ادا کر لیں، دنیا کی سب سے قدیم اور متبرک عبادت گاہ کو نگاہوں کے راستے دلوں میں اتار لیا اور اب باری ہے مسجد نبوی کو نگاہوں سے بوسہ دینے کی۔ اس کے ذرات پر سجدہ ریز ہونے کی، بارگاہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں درود و سلام کا

نذرانہ پیش کرنے کی۔حاجیوں کا اشتیاق کیوں نہ فزوں ہو کہ وہ آج اس سرزمین پر اپنے قدم رکھیں گے جس پر اللہ کے رسول کے پائے مبارک پڑتے رہے ہیں۔آج وہ اس مسجد میں نماز ادا کریں گے جو دنیا کی دوسری متبرک ترین عبادت گاہ ہےاور جس کی بنیاد دنیا کی سب سے برگزیدہ شخصیت نے رکھی تھی۔ یہ حجاج آج اس بستی کو دیکھنے جا رہے ہیں ،جس کے دیدار کا خواب ہر مسلمان کی آنکھوں میں تڑپتا رہتا ہے۔ جہاں شب و روز رحمت خداوندی برستی رہتی ہے۔ جہاں کے انصار نے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پلکوں پر بٹھایا تھا اور ان پر اپنا سب کچھ نثار کر دیا تھا اور جس بستی کو دیکھ لینا ہی کسی عبادت سے کم نہیں ہے۔ مدینہ منورہ کی مسافت جوں جوں کم ہو رہی ہے، حجاج کے لبوں پر درود و سلام کا ورد تیز ہوتا جا رہا ہے۔یہ لوگ روضۂ اطہر پر حاضری کے وقت درود و سلام کا نذرانہ پیش کریں گے ہی ،راستے سے ہی یہ سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔

صبر و تحمل کا امتحان

مدینہ منورہ کے قریب آتے ہی آبادیاں شروع ہو گئیں اور جب کسی نے بتایا کہ اب مسجد نبوی کے حسین و جمیل مینارے نظر آنے والے ہیں تو بہت سے حجاج اپنی سیٹوں پر کھڑے ہو گئے تا کہ ان میناروں کا دیدار وہ سب سے پہلے کر لیں۔ مسجدوں کے میناروں میں بڑا حسن ہوتا ہے۔ان میں ایک عجیب و غریب جادو ہوتا ہے۔اگر کہیں دور سے کسی مسلمان کو مسجد کے مینارے نظر آ جائیں تو اس کا ایمان جوش مارنے لگتا ہے۔مسجدوں کے میناروں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قریب سے وہ بہت چھوٹے نظر آتے ہیں لیکن دور سے بہت بلند دکھائی دیتے ہیں۔ اور مسجد نبوی کے سبک سار میناروں کا کیا کہنا۔ یہ تو میلوں دور سے ہی مشتاقانِ حرم کو اپنا دیدار کرا دیتے ہیں۔ یہ مینارے اپنے زائرین کو زیادہ تڑپاتے نہیں۔ کچھ دیر تک ان کے صبرو

تحمل کا امتحان لیتے ہیں اور پھر اچانک سامنے آجاتے ہیں۔ جس طرح خانۂ کعبہ کو اچانک اپنی نگاہوں کے سامنے پا کر زائرین دم بخود رہ جاتے ہیں ان کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں اور نگاہیں اس مقدس عمارت سے چمٹ کر رہ جاتی ہیں، اسی طرح جب یہ مینارے اچانک نظروں کے سامنے آجاتے ہیں تو آنکھوں میں مسرت وشادمانی کی نمی آجاتی ہے اور زائرین اپنی قسمت پر رشک کرنے لگتے ہیں۔ ہر حاجی کی یہ دلی تمنا ہے کہ وہ سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضری دے اور روضۂ مبارک پر جا کر درود و سلام کا تحفہ پیش کرے۔ مسجد نبوی کے دیدار سے قبل دلوں کی عجیب وغریب کیفیت ہے اور دل و دماغ میں جذبات کا طوفان برپا ہے۔ اچانک کسی نے کہا کہ وہ سامنے دیکھئے مسجد نبوی کے مینارے نظر آنے لگے ہیں۔ لوگ ایک بار پھر اپنی سیٹوں پر کھڑے ہو گئے اور بلند آواز میں درود وسلام اور دعائیں پڑھنے لگے۔ نماز مغرب سے عین قبل ہم لوگوں کی بس مسجد کے زیر سایہ پہنچ گئی۔ مسجد نبوی کے باب فہد کے سامنے متعدد شاندار ہوٹل ہیں۔ انہی میں سے ایک ہوٹل میں ہم لوگوں کے قیام کا بندوبست ہے۔ ہوٹل میں ہم لوگوں کا شاندار استقبال کیا گیا اور انتہائی لذیذ کھجور اور قہوہ سے ضیافت کی گئی۔ یہاں آکر اب تک کی ساری کلفتیں دور ہو گئیں۔ مسجد نبوی کے زیر سایہ قیام، جب چاہو مسجد میں جاؤ، جتنی چاہو عبادت کرو، جتنی چاہو زیارت کرو، طبیعت باغ باغ ہو گئی۔ مکہ میں ایک بے کلی اور بیقراری کی کیفیت رہتی ہے جبکہ مدینہ منورہ میں سب کچھ بدل جاتا ہے۔ بیقراری کی جگہ آسودگی، بے چینی کی جگہ سکون واطمینان۔ کہتے ہیں کہ مکہ میں جلال ہے تو مدینہ میں جمال ہے۔ یہاں کا انتظام بھی مکہ سے مختلف ہے۔ خانہ کعبہ میں عورت اور مرد ایک ساتھ نماز ادا کرتے ہیں جبکہ مدینہ میں عورتوں کی جائے نماز الگ ہے۔ مکہ مکرمہ میں کچھ مجبوریاں ہیں جن کے سبب عورتوں کا الگ انتظام نہیں ہوسکتا۔ لیکن مدینہ منورہ میں تو ہوسکتا ہے۔ اسی لیے یہاں الگ

انتظام ہے۔ یہاں پہلے ہی روز ہم لوگوں نے روضہ رسول ﷺ کی زیارت کی اور درود وسلام بھیجا۔ دوسرے مقامات کی بھی زیارت کی گئی۔

مسجد حرام کی مانند مسجد نبوی میں بھی قابل ذکر توسیعات کی گئی ہیں۔ یہاں بھی بیک وقت بارہ لاکھ افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مدینہ شریف کی قدیم آبادی مسجد نبوی کے احاطے میں آ گئی ہے۔ یہ توسیعات سائنٹفک نقطۂ نظر سے بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ سب سے انوکھے اور حیرت انگیز وہ گنبد ہیں جن کو موسم کی مناسبت سے آگے پیچھے کھسکایا جاتا ہے۔ (تفصیلات آگے آئیں گی)

گنبد خضریٰ اور میناروں کی زیارت

پہلے دور سے مسجد بنوی کے میناروں کا دیدار کیا تھا۔ اب قریب سے اور انتہائی قریب سے کر رہے ہیں۔ خوبصورت میناروں کے زیر سایہ نمازیں ادا ہو رہی ہیں، جو بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے نشان راہ منزل ہیں، جو دنیا کے نظام جبر کے مابین انسانیت کی فلاح و کامرانی کے ضامن ہیں، دکھی دلوں کے لیے مرہم اور درد کا درماں ہیں، جو غمزدوں، بیکسوں اور بے بسوں کی چارہ گری کا سامان لیے ہوئے ہیں۔ یہ بلند و بالا اور روشن مینار جو انتہائی طرحدار اور دلربا ہیں، دن میں کچھ نظر آتے ہیں اور شب میں کچھ۔ شب میں تو ان کا حسن کچھ اور نکھر جاتا ہے۔ یہ مینارے نہیں تاریک راہوں میں گم کردہ لوگوں کے لیے روشنی کی کرن ہیں۔ انہی میناروں کے زیر سایہ عبادت کے لمحات میسر آ گئے ہیں اور ہر حاجی اپنا بیشتر وقت انہی کے دامن میں گزارنا پسند کرتا ہے۔

ان میناروں کے درمیان میں گنبد خضریٰ کا حسن الگ اپنا جلوہ بکھیر رہا ہے۔ وہ گنبد خضریٰ، جس کے بارے میں بچپن سے اشعار پڑھتے اور گنگناتے آئے ہیں، نگاہوں کے سامنے ہے اور بے تاب نگاہیں اس کا دیوانہ وار طواف کر رہی ہیں۔ دنیا

کے کسی بھی کونے سے مسلمان جب مناسک حج ادا کرنے سعودی عرب آتے ہیں تو وہ مکہ سے واپس نہیں ہو جاتے بلکہ اس مرکز انسانیت کی زیارت کرنا نہیں بھولتے۔ مسجد نبوی، اس کے حسین و جمیل میناروں اور گنبد خضری کو نگاہوں میں بسانا نہیں بھولتے۔ وہ اس ہستی کے روضے پر حاضری دینا ضروری سمجھتے ہیں جس نے پوری دنیا کو انسانیت کا پاٹھ پڑھایا اور ظلمت پسندی کا خاتمہ کر کے پوری دنیا میں اسلام کا اجالا پھیلایا۔ جس قدر مسلمان مسجد حرام کی زیارت کرتے ہیں اسی قدر مسجد نبوی کی بھی زیارت کرتے ہیں اور جب یہاں آتے ہیں تو دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت کرنا بھی نہیں بھولتے۔ بہت ہی بد قسمت ہوگا وہ مسلمان، جو مکہ سے واپس چلا جائے اور روضۂ مبارک، گنبد خضرٰی، جنت البقیع اور دیگر مقامات کی زیارت سے محروم رہے۔

چونکہ ہم لوگوں کا قیام بہت مختصر ہے اور صرف چار پانچ روز مدینہ میں قیام کرنا ہے لہٰذا ہم مسجد نبوی کی برکتوں سے اس طرح فیضاب نہیں ہو سکتے جس طرح زیادہ دن گزارنے والے فیضیاب ہوتے ہیں۔ ہم لوگوں کے دلوں میں یہ کسک ہے کہ کاش مزید وقت مل جاتا اور ہم زیر سایہ گنبد خضرٰی کچھ اور برکتیں اور نعمتیں لوٹ لیتے۔ لیکن بہر حال یہی کیا کم ہے کہ ہم لوگوں کو دیدار حرم اور دیدار مسجد نبوی کا موقع ملا۔ ہماری دعا ہے کہ ہم دوبارہ یہاں آئیں اور جی بھر کر نظارہ کریں اور مزید عبادتیں کریں، جن مقامات مقدسہ کی زیارت نہیں کر سکے ہیں ان کی بھی زیارت کریں اور روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر درود و سلام کے ڈھیر سارے نذرانے پیش کریں۔

کنگ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس

۳ر جنوری کو ہم لوگ کہیں نہیں گئے۔ ہوٹل میں رہے اور مسجد نبوی میں نمازیں ادا کیں۔ آس پاس کے بازاروں کو دیکھا اور یہاں کے مسحور کن مناظر سے لطف اندوز

ہوتے رہے۔ ۴؍ جنوری کی صبح کو بتایا گیا کہ آج کنگ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس دکھایا جائے گا اور زیارت گاہوں پر لے جایا جائے گا۔ ہم لوگ دس بجے قرآن پرنٹنگ کمپلیکس کے لیے لگزری بسوں میں روانہ ہوئے۔

خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے ۱۹۸۵ میں اس کمپلیکس کو قائم کیا تھا جو قرآن مجید کی توسیع واشاعت کے سلسلے میں ان کی گہری دلچسپی کا مظہر ہے۔ یہ کمپلیکس ڈھائی لاکھ مربع میٹر پر محیط ہے۔ اور اس میں دفاتر، مسجد، پرنٹنگ پریس، دُکانیں، ٹریننگ سینٹر، رہائشی یونٹ، ایک کلینک، ایک لائبریری اور ریسٹورینٹ ہیں۔ جب کسی ملک کا کوئی نمائندہ یا کوئی اہم شخصیت یہاں کا دورہ کرتا ہے تو داخلی دروازے کے پاس لابی میں ایک بڑا سا اسکرین لگا کر اس کمپلیکس کی تفصیلات فلم کے ذریعہ پیش کی جاتی ہیں۔ اس کمپلیکس میں تقریباً دو ہزار افراد کام کرتے ہیں جن میں ۷۳ فیصد سعودی ہیں۔ اب تک قرآن مجید کے کروڑوں نسخے شائع ہو کر پوری دنیا میں مفت تقسیم ہو چکے ہیں۔ تقریباً پچاس زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اب ہندی ترجمہ بھی چھاپنے کی تیاری چل رہی ہے۔ حدیث کی متعدد کتب بھی یہاں شائع ہوتی ہیں۔ جدید طرز کی اس عمارت کو دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ قرآن شریف کی پرنٹنگ سے قبل کئی کئی بار ایکوریسی چیک ہوتا ہے تاکہ غلطی کا احتمال نہ رہ جائے۔ اس سلسلے میں انتہائی مشاق اور فنکار لوگوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ اس پرنٹنگ کمپلیکس میں قرآن شریف کے سالانہ ایک کروڑ نسخے شائع کیے جاتے ہیں۔ اب تک بیس لاکھ سے زائد مسلمان یہاں کا دورہ کر چکے ہیں۔ اس پرنٹنگ پریس میں ہنگامی حالات میں اور خصوصی مواقع پر سالانہ تین کروڑ نسخے شائع کیے جاسکتے ہیں۔ جن زبانوں میں قرآن شریف کا ترجمہ یہاں سے شائع ہو چکا ہے ان میں ۲۳ ایشیائی زبانیں، ۱۰ یوروپی اور ۱۱ افریقی زبانیں ہیں۔ جن میں اردو، بنگالی،

البانیائی ،برمی، انگریزی، فرانسیسی، یونانی ،انڈونیشیائی ،کشمیری ، کوریائی ،فارسی، صومالی، اسپینی،تمل، تھائی اور ترکی زبانیں شامل ہیں۔ وزراتِ شئون الاسلامیہ والاوقاف اس کمپلیکس کے کاموں کی دیکھ ریکھ کرتی ہے۔شاہ فہد بن عبدالعزیز کی یہ خاص ہدایت تھی کہ ہر زائر کو اس کمپلیکس سے شائع شدہ قرآن شریف کا ایک ایک نسخہ دیا جائے۔ اس ہدایت پر عمل جاری ہے۔ہم لوگوں کو کمپلیکس کی بعض عمارتوں میں لے جایا گیا اور پریس وغیرہ کی تفصیلات بتائی گئیں۔ منتظمین نے عربی، انگریزی، البانیائی اور دیگر زبانوں میں بہت سی مفید معلومات فراہم کیں۔ یہاں سے شائع ۹۵ رفیصد کتابوں کو پوری دنیا میں مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔

نابینا لوگوں کے لیے قرآن شریف کی اشاعت

اس پرنٹنگ کمپلیکس میں اب نابیناؤں کے لیے بھی بریل میں قرآن شریف کی اشاعت ہوتی ہے۔اس پورے عمل کو کمپیوٹرائزڈ کر دیا گیا ہے۔ بریل میں قرآن کی اشاعت کے بعد اس کے نسخے نابینا افراد میں مفت تقسیم کیے جاتے ہیں۔اس کے لیے سعودی عرب کی تخصیص نہیں ہے بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی سپلائی کئے جاتے ہیں۔اب تک بریل میں سات ہزار سے زائد نسخے ۵۴ جلدوں میں شائع کیے جا چکے ہیں،اور یہ تمام نسخے دیگر ممالک میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ یہاں سے قرآن شریف کے علاوہ دیگر مذہبی کتب بھی بریل میں شائع کی جاتی ہیں۔ کنگ فہد پرنٹنگ پریس سے نابینا افراد کے لیے ''الفجر'' نام سے ایک ماہنامہ نیوز لیٹر بھی شائع کیا جاتا ہے اور دنیا کے مختلف ملکوں میں ضرورت مندوں میں اسے مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔اس نیوز لیٹر کے ایک ہزار سے زائد خریدار بھی ہیں اور اب تک اس کے تین سو سے زائد ایشوز شائع ہو چکے ہیں۔ یہاں سے ظہر کے وقت ہم لوگوں کی واپسی ہوئی اور واپسی میں

قرآن شریف کا ایک ایک نسخہ مع ترجمہ اور قرآن شریف کی مکمل تلاوت کے آڈیو کیسٹ کا ایک ایک بیگ دیا گیا۔

جبل اُحد کا دیدار

قرآن پرنٹنگ کمپلیکس سے واپس آ کر ہم لوگوں نے مسجد نبوی میں ظہر کی نماز ادا کی اور عصر بعد زیارت گاہوں پر لے جایا گیا۔ پہلے جبل اُحد دکھایا گیا جہاں شہدائے اُحد کی قبریں ہیں۔ وہ ایک میدان جیسا ہے جسے چہار دیواری بنا کر گھیر دیا گیا ہے اور اس کے گیٹ پر مختلف زبانوں میں ہدایتیں درج ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ کوئی پتھر یا مٹی تبرک کے طور پر نہ لے جائیں۔ وہ ایک پکنک اسپاٹ سا بن گیا ہے جہاں کھجور اور دیگر چیزیں فروخت ہوتی رہتی ہیں۔ لوگ یہاں بھی گفٹ آئٹم خریدتے ہیں۔ بالخصوص بچوں کے لیے گفٹ بہت سستے داموں میں مل جاتے ہیں۔ جبل احد مسجد نبوی کے باب فہد سے بالکل سامنے نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ابھی پیدل پہنچ جائیں گے۔ لیکن بس سے بھی خاصا وقت لگتا ہے۔ زائرین جن مقامات کی زیارت کرتے ہیں ان میں جبل احد بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سمیت ۷۰ صحابہ کی شہادت ہوئی تھی اور ہندہ نے حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا تھا۔ اس میدان کو دیکھ کر غزوۂ احد کا پورا نقشہ نگاہوں میں گھوم جاتا ہے کہ کس طرح مال غنیمت لوٹنے کے لالچ میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہدایت پر عمل نہ کرنے کے نتیجے میں جیتی ہوئی جنگ ہار جانی پڑی تھی۔ اسی جبل احد کے دامن میں یہ غزوہ ہوا تھا۔ رسول اکرم نے اس احد پہاڑ کو مدینہ کا ہمسایہ قرار دیا ہے۔ مدینہ آنے والا ہر مسافر اور ہر زائر اس کا دیدار کرتا ہے اور

اس سے متعارف ہوتا ہے۔اس کا دامن وسیع ہے اور یہ نا قابل عبور ہے۔ اس کی وادی میدانِ احد کہلاتی ہے۔

مسجد قبلتین و مسجد قبا

جبل احد اور امیر حمزہ رضی اللہ عنہ وغیر کی قبروں کی زیارت کے بعد ہم لوگوں کو مسجد قبلتین لے جایا گیا۔اس وقت مغرب کی نماز کا وقت قریب ہے۔ مسجد میں پہنچ کر تحیۃ المسجد ادا کی اور تھوڑی دیر میں نماز کا وقت ہو گیا۔نماز کے لیے ہم چند لوگ جہاں صف بندی کر کے بیٹھے ہیں وہیں ایک شخص اپنے پانچ سات سال کے بیٹے کے ساتھ بھی بیٹھا ہے اور ایک تھیلی میں بہت عمدہ کھجوریں رکھے ہوئے ہے۔ باپ بیٹے دونوں اس میں سے کھا رہے ہیں۔ باپ نے زبردستی ہم لوگوں کو بھی کھجوریں کھلائیں جو انتہائی لذیذ تھیں۔

اس مسجد میں تحویل قبلہ کا حکم ہوا تھا۔روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام بشر کی عیادت کو تشریف لے گئے تھے۔ حضورؐ کے لیے کھانے کا انتظام کیا گیا، کھانا تناول فرمانے کے دوران نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ حضورؐ نے صحابہ کی معیت میں مسجد بنو سلمٰی میں نماز ظہر شروع فرمائی۔ ابھی دو رکعت آپ نے پوری کی تھیں کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہو گیا۔ بقیہ دو رکعت کو نماز ہی کی حالت میں کعبۃ اللہ کی طرف رخ مبارک کر کے مکمل فرمایا۔ اس لیے اس مسجد کو مسجد قبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی جاتی تھی۔

مغرب کی نماز کے بعد ہم لوگ مسجد قبا گئے۔ جو اسلام کی پہلی مسجد ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۸/ربیع الاول ۱۳ نبوی مطابق ۳۰ ستمبر ۶۲۲ء کو اس مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ گھر سے وضو کر کے جا کر اس میں دو رکعت نماز ادا کرنے

کا ثواب ایک عمرہ کے برابر ہے۔ ہم لوگ مغرب کی نماز کے بعد اس میں پہنچے اور دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے خوبصورت مینارے اور دیدہ زیب گنبد روشنی میں نہائے ہوئے ہیں اور پوری مسجد بقعۂ نور بنی ہوئی ہے۔ احادیث میں اس مسجد کے بڑے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن میں بھی اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حضور کا معمول تھا کہ وہ ہر سنیچر کو مسجد قبا تشریف لاتے اور لوگوں کو بھی آنے کی ترغیب دیتے۔ حضور اکرم جس جگہ کھڑے ہو کر (تحویل قبلہ سے قبل) نماز پڑھایا کرتے تھے وہ اب مسجد کے صحن میں ہے اور وہاں محراب بنادی گئی ہے۔ تحویل قبلہ کے بعد آپ نے جہاں نماز پڑھائی وہ مسجد کے اندر والی محراب ہے۔ صحن والی محراب کے پاس جو قبہ ہے اسی جگہ حضور کی اونٹنی آ کر بیٹھی تھی۔ اس وقت مسجد قبا کا طول وعرض ۱۰۰×۱۰۰ فٹ تھا اور صحن ۷۵ فٹ لمبا اور ۳۹ فٹ چوڑا تھا۔ مسجد قبا کی کئی بار تجدید وتوسیع کی گئی ہے۔ مرحوم خادم حرمین شریفین شاہ فہد نے ۱۴۰۷ھ میں اس کی توسیع وتجدید کی اور اسے عظیم الشان مسجد میں تبدیل کر کے نمازیوں کے لیے پوری مسجد ایئر کنڈیشنڈ بنادی۔ اس توسیع کے بعد مسجد آگے اور پیچھے کافی بڑھ گئی ہے۔ صحن کو شامل کر کے پوری مسجد تقریباً ۱۳۵۰۰ مربع میٹر ہوگئی ہے اور دس ہزار نمازی اس میں بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس میں پہلے صرف ایک مینار ہی تھا مگر اب چار ہو گئے ہیں۔ اس پر کئی گنبد بھی بنے ہوئے ہیں۔ رات بھر مسجد میں اندر باہر اور چھت پر روشنی ہوتی ہے اور مسجد دور سے ہی انتہائی پُر رونق اور روشنی میں نہائی ہوئی نظر آتی ہے۔

یہاں سے واپس عشا کے وقت اپنی قیام گاہ پہنچے۔ ہوٹل کے جس کمرے میں ہم کو جگہ ملی ہے اس میں مفتی مکرم احمد امام مسجد فتح پوری دہلی، ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم جامعہ ہمدرد دہلی، اور قاری عبدالغفار مدرسہ بیت العلوم جعفر آباد دہلی بھی ہیں۔ انہوں نے مسجد نبوی اور دیگر مقامات کے بارے میں انتہائی مفید معلومات بہم پہنچائیں۔

غریب پرور بازار اور خوش دل دکاندار

۵جنوری یعنی جمعہ کے روز تھوڑی بہت شاپنگ کی گئی۔ باب فہد کے سامنے متعدد عالیشان ہوٹلوں اور تجارتی مراکز کے زیر سایہ ایک چھوٹا سا مارکیٹ ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے دہلی کی جامع مسجد کے زیر سایہ مینا بازار۔ مگر ان دونوں بازاروں میں بہت فرق ہے۔ اس بازار میں اشیاء کے دام بہت مناسب ہیں پھر بھی اگر کوئی منت سماجت کرے تو دکاندار قیمتوں میں کچھ کمی بھی کر دیتے ہیں۔ یہ بازار مڈل کلاس کے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتا ہے اور غالباً کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جو یہاں نہ ملتی ہو۔ پختہ دوکانیں بھی ہیں اور فٹ پاتھ پر بھی دکانیں لگ رہی ہیں۔ ٹھیلوں پر بھی سامان بیچے جا رہے ہیں۔ فٹ پاتھ پر متعدد خواتین دُکاندار بھی نظر آئیں جو جھٹ پٹ دکان لگا دیتی ہیں اور بوقت ضرورت جھٹ پٹ سمیٹ بھی لیتی ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی ہاتھ گاڑیوں میں سامان رکھ کر بیچتی ہیں۔ اس بازار میں کم قیمت کی چیزیں بھی ملتی ہیں اور مہنگی چیزیں بھی۔ جو چاہئے وہ حاضر۔ دکاندار انتہائی پیار سے بات کرتے ہیں اور زیادہ سامان لینے پر خصوصی رعایت بھی کر دیتے ہیں۔ گفٹ آئٹم بھی یہاں خوب ملتے ہیں اور بچوں سے لے کر بڑوں تک کو دینے والے تحائف موجود ہیں۔ کم پیسوں میں آپ زیادہ سامان خرید سکتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو تحائف دے سکتے ہیں۔ لیکن یہاں بیشتر اشیاء ایسی ملیں جو میڈ اِن انڈیا ہیں۔ بہت سے لوگ سرمہ اور ممیرہ سرمہ لانے کی فرمائش حاجیوں سے کرتے ہیں۔ حاجی یہاں سے سرمہ لے لیتے ہیں مگر بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ بریلی کا بنا ہوا ہے۔ اسی طرح ہم نے عطر کی بڑی شیشیاں لیں جو پیکٹوں میں ایک ایک درجن پیک تھیں۔ یہاں لا کر دیکھا تو ان پر ممبئی کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ لیکن شاید وہ کوالٹی یہاں نہیں ملتی جو مدینہ اور مکہ میں مل جاتی

ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ ایکسپورٹ کوالٹی ہوتی ہے اور چونکہ سعودی عرب سپلائی کی جاتی ہے لہٰذا یہاں ملنے والی اشیاء کے مقابلے میں زیادہ اچھی ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ پتھر کے ٹکڑے لے رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انہی کو خوب باریک پیس کر سرمہ بنایا جاتا ہے۔ بڑی عمارتوں میں واقع دُکانوں پر جو مصلّٰی بیس ریال میں ملے گا وہ اس بازار میں زیادہ سے زیادہ بارہ ریال میں مل جاتا ہے۔ دیواروں پر آویزاں کرنے والے کپڑوں پر بنے طغرے جن پر حرمین کی پینٹنگ ہوتی ہے، بڑی دُکانوں پر ۱۶ ریال میں جوڑا ملتے ہیں اور اس بازار میں دس ریال میں جوڑا کے حساب سے مل جاتے ہیں۔ اسی طرح اسکارف اگر آپ درجن کے حساب سے لیں تو بہت سستے پڑتے ہیں۔ اس بازار میں متعدد پاکستانی ہوٹل ہیں جن پر کام کرنے والے پاکستانی اور ہندوستانی دونوں ہیں اور ہندو پاک و بنگلہ دیش کے بیشتر لوگ انہی ہوٹلوں پر کھانا کھاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک ہوٹل میں ہم اور مولانا عطاء اللہ خاں گئے۔ ویٹر نے کئی سالن کے نام گنائے جن میں کڑھائی گوشت بھی تھا۔ ہم نے یہ سوچ کر کہ شاید دہلی کے کڑھائی گوشت کا ذائقہ مل جائے ایک پلیٹ منگالیا۔ مگر اس کو دیکھ کر مٹیا محل کے غریب ہوٹل کی یاد آ گئی۔ بلکہ غریب ہوٹل کے سالن کی کوالٹی شاید اس سے بہتر ہوگی۔ البتہ اس میں بوٹیاں درجن کے حساب سے تھیں اور سالن اتنا زیادہ تھا کہ ایک پلیٹ میں دونوں شکم سیر ہوگئے۔ بہر حال اس بازار میں شاپنگ کی گئی۔ کسی نے بتایا کہ قریب میں ایک بنگالی مارکیٹ بھی ہے جہاں اور بھی سستی چیزیں ملتی ہیں مگر ہم لوگ وہاں نہیں جا سکے۔ درمیان میں جمعہ کی نماز ادا کی گئی اور نماز بعد مسجد نبوی کی پشت پر واقع سوق التمر سے کھجوریں خریدی گئیں۔ گیارہ ریال فی کلو کے حساب سے جو کھجور ہم لوگوں نے لی تھی ۔ جب دہلی آ کر اردو بازار میں تقریباً ویسی ہی کھجور کی قیمت معلوم کی تو دُکانداروں نے اس کی قیمت تین سو روپے کلو بتائی۔

پہلے ممبئی، پھر جدہ، پھر عرفات پھر مزدلفہ، پھر منیٰ پھر مکہ اور پھر مدینہ۔ اتنی ساری جگہوں کا پانی چند روز میں پینے اور مکہ میں کم اور مدینہ میں سخت سردی کے سبب تقریباً سب کی طبیعت ناساز ہوگئی اور کوئی حاجی ایسا نہیں بچا ہے جس کو نزلہ زکام نے اپنی گرفت میں نہ لے لیا ہو۔ مدینہ میں صبح کے وقت ایسی سرد ہوائیں چل رہی ہیں کہ دہلی کی سردی یاد آنے لگی۔ بہر حال ہوٹل کے قریب ایک میڈیکل اسٹور سے دوائیں لیں۔ لیکن جب یہ پتہ چلا کہ ذمہ داروں نے ہوٹل میں بھی حاجیوں کے لیے ایک مفت مطب قائم کر رکھا ہے تو اس کے ڈاکٹر کو دکھایا۔ اس نے دوائیں دیں جس سے کچھ افاقہ ہوا۔ ادھر ابھی تک پیر کا درد اور ورم کم نہیں ہوا ہے۔ اسی میڈیکل اسٹور سے مساج کریم لی گئی۔ اس میڈیکل اسٹور پر یہ خاص بات دیکھی کہ سیلس مین ان گاہکوں کی زیادہ سن رہا ہے جو عربی میں گفتگو کر رہے ہیں۔ انگریزی بولنے والوں پر اس کی کم توجہ ہے۔ اور شاید اردو وہ سمجھ نہیں رہا ہے۔ یہاں ایک اردو بولنے والا سیلس مین بھی مل گیا۔ پھر اس کی مدد سے دوائیں اور دوسری چیزیں لی گئیں۔ مساج کریم نے وہاں تو کوئی فائدہ نہیں کیا مگر دہلی واپس آ کر بعض اوقات اس کا استعمال کیا تو اس کی خوبیوں کا علم ہوا۔ البتہ جس کو وہاں نزلہ زکام ہوگیا اس کو ہندوستان آنے کے بعد بھی کم از کم پندرہ بیس روز ضرور رہا۔ اس کے بعد ہی اس سے نجات ملی۔

آبِ زم زم لے ہی لیں

ہم لوگوں کی واپسی آٹھ اور نو جنوری کی درمیانی شب میں ہے مگر ابھی تک کسی کو پروگرام کا علم نہیں ہو سکا ہے۔ سب اپنی اپنی قیاس آرائی کر رہے ہیں۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ یہاں سے ہم لوگوں کو ڈائرکٹ جدہ لے جائیں گے تو کوئی یہ مژدہ سنا رہا ہے کہ نہیں مکہ شریف لے جائیں گے پھر وہاں سے جدہ لے جائیں گے۔ ذمہ داران

بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے پا رہے ہیں۔ اسی لیے اس پر بھی تبادلہ خیال ہوتا رہا کہ ہم لوگوں کو آبِ زمزم یہیں سے لے لینا چاہیے یا مکہ مکرمہ جا کر لینا چاہیے۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ اگر مکہ مکرمہ نہیں گئے تو کیا ہوگا۔ ہم لوگ حج کا ایک بہت قیمتی تحفہ لے جانے سے محروم رہ جائیں گے۔ کسی نے کہا کہ یہ لوگ ہم لوگوں کو واپسی پر آبِ زمزم کا کین ضرور دیں گے۔ جتنے منھ اتنی باتیں۔ اس لیے ہم چند لوگوں نے یہی بہتر سمجھا کہ آبِ زمزم کا کین یہیں سے لے لیا جائے۔ کہیں غفلت نہ ہو جائے۔ بابِ فہد کے سامنے مغربی کونے پر آبِ زمزم کی متعدد ٹوٹیاں لگی ہوئی ہیں جہاں سے لوگ مفت آب زمزم لے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر زبیر فاروقی اور ڈاکٹر حبیب اللہ پہلے ہی کین لے آئے ہیں۔ لہٰذا ہم نے اور ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نے بھی یہی بہتر سمجھا کہ یہیں سے آب زمزم لے لیں۔ آب زمزم کی ٹوٹیوں کے پاس چند لڑکے کین بیچ رہے ہیں۔ ان سے کین لیے گئے اور آبِ زمزم بھرا گیا۔

آبِ زمزم لے کر ہوٹل آئے تو دیکھا کہ لفٹ کے دروازے پر نوٹس چسپاں ہے جس پر لکھا ہے کہ چھ جنوری بروز ہفتہ صبح گیارہ بجے مکہ مکرمہ کے لیے روانگی ہوگی۔ سب لوگ اپنی تیاری کر لیں۔

OO

توسیعات حرمین شریفین

مسجد حرام کی توسیعات

(متعدد ادوار میں)

ظہور اسلام کے وقت خانۂ کعبہ اور مطاف کے اطراف کوئی دیوار نہ تھی۔ فتح مکہ کے قت اور بعد میں مسلمان کعبہ کے اطراف صف بندی کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ اس وقت حرم کو توسیع دینے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی گئی بلکہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بھی توسیع نہ ہوئی۔

توسیع حرم شریف بعہد خلیفہ دوم

امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے امور خلافت کی بے پناہ مشغولیات کے باوجود حرم شریف کی توسیع کے کام کی طرف بھر پور توجہ فرمائی۔ کیونکہ مسلمانوں کی کثرت کے سبب مسجد حرام کو وسعت دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اسی دوران بارش کے سبب مکہ کے پہاڑوں سے اترنے والا پانی سیلاب کی شکل میں حرم میں جمع ہو کر شدید نقصانات کا سبب بنا۔ سن ۱۷ھ مطابق ۶۳۸ء میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ آئے، آپ نے صورت حال پر نظر غائر ڈالی اور محسوس فرمایا کہ موسمی حالات کے علاوہ مصلّیوں کی کثرت اور جگہ کی تنگی بہت بڑا مسئلہ بن گئی ہے۔ چنانچہ آپ نے توسیع کا ارادہ کر لیا اور اس کام کو سر

انجام دینے کے لیے اطراف واکناف کے مکانات قیمتاً خرید لیے اور انہیں منہدم کر کے حرم میں شامل کیا۔ حرم کے اطراف ایک حفاظتی دیوار کی تعمیر کروائی اس میں داخلہ کے لیے دروازے لگوائے۔ اس توسیع کے باعث احاطہ حرم میں نمازیوں کے لیے بہت زیادہ گنجائش پیدا ہوگئی۔ یہ تاریخ حرم کی پہلی توسیع تھی اور اس کا رقبہ ۷۰ فی صدی بڑھ گیا جو ۳۶۱۳ مربع میٹر تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ شریف اور حرم محترم کو سیلاب کے نقصانات سے محفوظ کرنے کے لیے مکہ کے اوپری حصہ میں ایک ڈیم کی تعمیر کا بھی حکم دیا اور بہاؤ کا رخ دوسری طرف موڑنے کے انتظامات کی ہدایات دیں جس کی حسب ارشاد تعمیل ہوئی۔

توسیع حرم شریف بعہد خلیفہ سوم

پہلی توسیع کے نو سال بعد ہی ۲۶ھ م ۶۴۶ء میں دوسری توسیع ہوئی۔ اس کا سبب تھا دن بہ دن مصلّیوں کی تعداد میں اضافہ اور سالانہ حجاج کی آمد میں غیر معمولی زیادتی اور موجودہ جگہ کی تنگی۔ خلیفہ سوم حضرت امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیوار حرم سے باہر مزید مکانات خریدے اور انہیں منہدم کروا کر شامل مسجد حرام کر دیا۔ پہلی مرتبہ حرم شریف میں محرابیں بہ شکل قطار بنائی گئیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی توسیع میں ۸۶۹ مربع میٹر کا اضافہ کر کے جملہ رقبہ ۴۴۸۲ مربع میٹر کر دیا۔

توسیع بعہد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

توسیع عثمانی کے ۳۹ سال بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر جدید کے ساتھ ساتھ مسجد حرام کی اس زمانے کے اعلیٰ تعمیری معیار کے مطابق توسیع کا کام انجام دیا۔ انہوں نے سنگ مرمر کے ستون بنائے اور مسجد حرام کو مسقف

کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ مطاف کو سنگی فرش سے آراستہ کیا۔ انہوں نے مسجد حرام سے متصل دارارزق اور دیگر کئی مکانات خرید کر داخل مسجد کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ کی توسیع کا کام سن ۶۵ھ میں ہوا۔

بعہد عبدالملک بن مروان تجدید و مرمت

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور اموی افواج میں محاربہ اور حرم شریف کے محاصرہ کے دوران مسجد حرام اور خانۂ کعبہ کو جو شدید نقصانات ہوئے اس کی تلافی کے لیے عبدالملک بن مروان نے متاثرہ حصوں کی مرمت اور حسب ضروت جدید تعمیر کے احکام دیئے۔ دیواروں اور چھت میں چوبی کام کیا گیا۔ ساج کی لکڑی اور قیمتی اشیاء تعمیر سے مسجد حرام کے ستون اور چھت کو آراستہ کیا گیا۔ ہر ستون پر ۵۰ مثقال سونے سے ملمع کیا گیا۔ تاہم اس نے رقبہ میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ یہ کام سنہ ۷۵ھ م ۶۹۴ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

توسیعی کام بعہد الولید بن عبدالملک

الولید بن عبدالملک نے اپنے توسیعی کام کے ضمن میں مسجد حرام کے رقبہ میں ۲۸۰۵ مربع میٹر کا اضافہ کر کے جملہ رقبہ کو ۱۰۲۷۰ میٹر تک بڑھا دیا۔ اس نے اپنے والد کے بنائے ہوئے حصوں کو گرا کر ایک نہایت مستحکم عمارت تعمیر کی۔ اس نے مصر و شام سے سنگ مرمر کے ستون منگوائے منقش ساگوان کی لکڑی چھت میں لگوائی، ستونوں پر خالص سونے کے پترے چڑھائے۔ زمین حرم کو سرخ سبز اور سفید سنگ مرمر سے مزین کیا۔ یہ کام سنہ ۹۱ھ م ۷۰۹ء میں ہوا۔

توسیع بعہد ابو جعفر المنصور

الولید کی توسیعات کے ۶۴ سال بعد جبکہ بنو عباس تخت خلافت پر فائز ہوئے تو ۱۳۷ھ مطابق ۷۵۴ء میں ابو جعفر المنصور نے فریضہ حج ادا کیا اور اس وقت اس نے حجاج کی کثرت کو دیکھ کر حرم شریف کی توسیع کا ارادہ کر لیا۔ اس نے ۴۷۰۰ مربع میٹر کا اضافہ کیا جس کے باعث حرم کا جملہ رقبہ ۱۵۴۹۱ مربع میٹر ہو گیا۔ المنصور کا توسیعی کام شمال اور جنوب کی طرف ہوا تھا، اس نے ایک مینار شمال مغربی کونے پر تعمیر کیا۔

توسیعی کام بعہد محمد المہدی عباسی

خلیفہ المہدی عباسی نے اپنے توسیعی کام میں ۱۲۵۱۲ مربع میٹر کا اضافہ کر کے مسجد حرام کے رقبہ کو ۲۸۰۰۳ مربع میٹر تک بڑھا دیا۔ مہدی کا توسیعی کام دو مراحل میں ہوا۔ پہلا مرحلہ ۱۶۰ھ میں اور دوسرا ۱۶۸ھ میں شروع ہوا۔ مسجد حرام کی عمارت کو وسیع پیمانے پر مربع شکل دی گئی، پانچ نئے دروازے لگائے گئے، تعمیر میں شامی ستون استعمال کیے گئے۔ دوسرے تعمیری مرحلہ کی تکمیل سے پہلے ہی مہدی نے وفات پائی۔ اس کے فرزند موسیٰ الہادی نے زیر تکمیل کام کو جاری رکھا۔ مہدی کی توسیعات تا حال کی گئیں توسیعات میں سب سے بڑی اور وسیع تر تھیں۔ مسجد حرام کی عمارت میں ۴۸۴ مرمری ستون لگائے گئے جن میں ہر ایک ۸ء۴ میٹر بلند تھا اور ۴۴ء۱ گولائی لیے ہوا تھا۔ دیواروں کی بلندی ۹ء۶ میٹر تھی۔ جملہ تعمیری خرچ ۴۵۷۸۵۰ دینار آیا۔

توسیع و مرمت بعہد خلیفہ المعتمد

مسجد حرام سے متصل بیت زبیدہ بنت جعفر بن المنصور کے گر جانے کے سبب عمارت حرم کی چھت کا ایک حصہ اور دو ستون متاثر ہوئے۔ گورنر مکہ ابو احمد جعفر کی توجہ دہانی پر خلیفہ المعتمد نے فوراً مرمت و توسیع کا فرمان جاری کیا۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں

شایانِ شان مرمتی کام انجام پایا۔ یہ واقعہ ۲۷۶ھ کا ہے۔

توسیع بعہد خلیفہ المعتضد

۲۸۱ھ سے ۲۸۴ھ تک المعتضد کے عہد میں توسیع کا کام ہوا۔ مسجد سے متصل راہداری، ابواب کی تعمیر اور ضروری حصوں پر ساج کی لکڑی کی چھت لگائی گئی۔

توسیع بعہد خلیفہ المقتدر

۳۰۶ھ میں خلیفہ المقتدر نے باب ابراہیم کی توسیع کی۔ اس نے ملکہ زبیدہ کے دو مکانات شامل مسجد حرام کئے۔ یہ عباسی خلفاء کے توسیعی کاموں میں آخری کام تھا۔

مسجد حرام اور مملوک حکمراں

مملوکوں نے خدمت حرم شریف کو سعادت عظمیٰ جانتے ہوئے ممکنہ خدمات انجام دیں۔ الناصر محمد قلاؤوں نے سنگ مرمر کے کام میں جہاں جہاں ضرورت تھی مرمت وتجدید کی۔

البرقوق (۸۰۱ھ) نے مروہ کی کمان کی تجدید اور سیڑھیوں کو بنوایا۔ آتش زدگی کے باعث متاثرہ ۱۳۰ ستونوں کو از سرنو بنوایا گیا۔ اس کام کا ذمہ دار الیساق الظاہری تھا۔

۸۸۲ھ میں سلطان قیت بائی نے مسجد حرام سے متصل مدارس کی مرمت کروائی، جہاں چاروں مسالک کے علماء طلبہ کو درس فقہ دیا کرتے تھے۔

تعمیر ومرمت بعہد سلاطین عثمانیہ

۹۷۲ھ م ۱۵۶۷ء میں سلطان سلیم نے مسجد الحرام میں وسیع پیمانے پر تعمیرات اور مرمت وترمیم کا کام شروع کیا۔ مسعیٰ کی گلی کی جانب سے مسجد حرام کی مرمت دالانوں کی چھتوں پر گنبد اور کعبہ شریف کے گرد اور تمام دالانوں میں اعلیٰ درجہ کا فرش

کروایا۔ سلطان سلیم کا تعمیری توسیعی و مرمتی کام خلیفہ مہدی کے وسیع تر کام سے کسی طرح کم نہ تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سلطان سلیم نے مسجد حرام کی جملہ عمارت کو از سر نو بنوا دیا۔ جملہ ۵۸۹ ستون پوری عمارت میں مختلف حصوں میں مساویانہ طور پر قائم تھے جو ۸۸۱ کمانوں اور چھت پر بنے ۱۵۲ گنبدوں کو سنبھالے ہوئے تھے۔ یہ توسیع ۲۸۰۰۳ مربع میٹر پر تھی ۔ یہ کام ۹۸۴ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ سلطان سلیم کے انتقال کر جانے کے باوجود توسیعی کام رکا نہیں بلکہ اس کے لائق فرزند سلطان خاں ثالث نے اسے مکمل کیا۔

اس کے بعد بھی متعدد مرتبہ مسجد حرام کی مرمت کا کام ہوا۔ سلطان محمد خاں نے ۱۰۰۵ھ میں تعمیری کام انجام دیا۔ سلطان عبدالعزیز نے ۱۲۷۸ھ میں مرمت کروائی۔ سلطان عبدالحمید نے ۱۳۱۴ھ اور سلطان محمد راشد نے ۱۳۲۷ھ میں مرمت کے کام کی سعادت پائی۔ تاریخ عمارت مسجد حرام میں لکھا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سلطان مراد کی تعمیر و توسیعات مسجد حرام پر جملہ رقم ایک کروڑ دینار کا خرچ ہوا۔ اس میں سب سے زیادہ ۴۵۷۸۵۰ دینار خلیفہ المہدی نے صرف کیے۔

بعہد سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود

سلطان عبدالعزیز عبدالرحمٰن آل سعود نے ۱۳۴۴ھ م ۱۹۲۶ء میں مسجد الحرام کی مرمت کے متعلق ایک فرمان جاری کیا اور ناظم اوقات شیخ محمد سعید ابوالخیر کو اس کا ذمہ دار بنایا، جنہوں نے مسجد حرام کی مرمت طلب دیواروں، فرش، ستونوں اور راہداریوں کو از سر نو ٹھیک کروایا۔ ابواب داخلہ سے مطاف تک، صحن حرم، مقام ابراہیم اور مطاف کے اطراف کے حصوں کی صفائی، رنگ آمیزی وغیرہ کا کام ایام حج سے پہلے مکمل کر

لیا۔ سلطان عبدالعزیز نے ۱۳۲۶ھ میں مزید ایک حکم کے ذریعے حرم شریف کے اندرون اور بیرون میں مکمل مرمتی کام کی ہدایت دی اور اس کے لیے شخصی طور پر سرمایہ نذر کیا۔ یہ کام شیخ عبداللہ دہلوی کو تفویض کیا گیا۔ مکمل فرش پر دریوں کے بچھانے کے کام سے اس کا آغاز ہوا۔ مرمتی اور توسیعی کام کیا گیا۔ دارالندوہ اور باب ابراہیم کے علاوہ راہداریوں اور مقامات کے اطراف سنگی فرش کا انتظام ہوا۔ بیرونی دیوار سے چاروں طرف سائبان بنائے گئے۔ اس کام میں تین سال لگ گئے۔ تاہم اس کے بعد سے ہر سال ایام حج سے پہلے تمام حرم شریف کی مرمت و صفائی وغیرہ کی روایت قائم ہوگئی۔

پہلی سعودی توسیع

پہلی سعودی توسیع کا کام مختلف اہم پہلوؤں پر مشتمل تھا۔ ساتھ ہی حجاج کرام کے آرام اور سہولتوں کے لیے ضروری انتظامات بھی اس میں شامل رکھے گئے۔ پہلی سعودی توسیع کا کام چار مراحل میں پورا کیا گیا۔

مسجد حرام کی تاریخ ساز توسیعات

یوں تو مسجد حرام کی توسیعات مختلف ادوار اور مختلف مراحل میں کی جاتی رہی ہیں مگر سعودی حکومت میں جو توسیعی کام کیا گیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس توسیعی منصوبے کا آغاز شاہ عبدالعزیز نے کیا لیکن خادم حرمین شریفین شاہ فہد نے مسجد حرام اور مسجد نبوی میں جو عظیم الشان توسیعات کیں وہ تاریخ ساز ہیں۔ شاہ عبدالعزیز کی دور رس نگاہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ آئندہ برسوں میں یہ جگہ بہت تنگ پڑ جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے انتہائی لگن کے ساتھ توسیعی کام شروع کیا۔ ان کی لگن اور جذبے کو اس

خیال نے مزید تقویت بخشی کہ مستقبل میں مسجد حرام میں بے پناہ لوگ آئیں گے اور قدیم شہر مکہ مکرمہ کی ہیئت تبدیل ہو کر رہ جائے گی۔ چار ربیع الثانی ۱۳۷۵ ہجری کو شاہ عبدالعزیز توسیعی منصوبے کا آغاز ہوا۔ مسعیٰ یعنی صفا و مرویٰ کے درمیان راستے کی تعمیر سے شروعات ہوئی۔ اس راستے کو مسجد میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس وقت تک حاجیوں کو صفاء مرویٰ کی سعی کھلے آسمان کے نیچے کرنی پڑتی تھی۔ انہیں صحرا کی شدید گرمی ریت اور بازار کی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس طرح توسیعی مقام کے پہلے مرحلے میں مسعیٰ کو مسجد حرام میں شامل کر لیا گیا۔ اس کو اس طرح ڈیزائن کیا گیا کہ وہ موجودہ ڈھانچے سے مطابقت اختیار کر جائے۔ اس تعمیر کے نتیجے میں مسجد حرام کا رقبہ تیس ہزار دو سو مربع میٹر سے بڑھا کر ایک لاکھ باون ہزار مربع میٹر تک کیا جانا تھا۔ مسجد کے آس پاس کے قدیم روایتی شہر کے مکانوں اور عمارتوں کو پہلے منہدم کیا گیا تا کہ شاندار تعمیراتی کام کے لیے راہ ہموار کی جا سکے۔ جبکہ مطاف سے قدیم عمارتوں کو صاف کر دیا گیا جن میں آب زم زم کے کنویں کا باہری حصہ بھی شامل تھا۔ جسے مطاف کے نیچے دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ عمارت میں تبدیلی سے اس کی گنجائش بیک وقت ساڑھے تین ہزار سے بڑھ کر تیس ہزار نمازیوں کے قریب ہو گئی۔ ۱۳۹۶ ہجری میں جب یہ عظیم الشان اور پر شکوہ عمارت مکمل ہوئی تو اس میں مجموعی طور پر تین لاکھ افراد نمازیں اور دیگر عبادات پورے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کر سکتے تھے۔

شاہ فہد کے عہد میں تاریخ ساز توسیعات

پہلی سعودی توسیع کی تکمیل کے ساتھ ہی سعودی عرب اور مسلم دنیا میں بے پناہ معاشرتی تبدیلیوں کا آغاز بھی ہو گیا جس کے نتیجے میں ان گنت عازمین حج مکہ مکرمہ آنے لگے۔ اسی طرح مسجد حرام اور مکہ مکرمہ پر دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ ان تبدیلیوں

کا سامنا کرنے کے لیے سعودی حکومت نے مسجد حرام کی سہولتوں میں اضافے کے پروگرام پر پھر عمل درآمد کیا جس میں مطاف کے راستے کی خالص اور سفید سنگ مرمر سے تبدیلی بھی شامل تھی۔ اس سنگ مرمر کی خوبی یہ ہے کہ اس پر شدید گرمی میں بھی پیر ٹھنڈے رہتے ہیں۔ مسجد حرام کی توسیع کا تاریخ ساز کام دراصل خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور میں شروع ہوا۔ انھوں نے ۱۴۰۶ ہجری میں پہلی توسیع کے دوران تعمیر کی جانے والی چھت کی تزئین و آرائش کی ہدایت دی تاکہ مزید ۸۴ ہزار نمازیوں کی گنجائش نکالی جا سکے۔

خادم حرمین شریفین نے مسجد حرام کی حدود کے باہر پانچ اسکلیٹرس کے لیے اضافی عمارتوں کی تعمیر کا بھی حکم دیا۔ اس ڈھانچے کو جن میں سے ہر ایک ۳۷۵ مربع میٹر رقبے کا ہے، رش کے زمانے میں عام سیڑھیوں کے علاوہ چھت پر آنے جانے کے مقصد سے اضافی سہولت کی فراہمی کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ ان اسکلیٹرس کی تعمیر کا بنیادی مقصد ضعیفوں اور بچوں کو چھت اور پہلی منزل تک جانے کے لیے سہولتیں فراہم کرنا تھا۔ اسٹیل کے اسکلیٹروں کی روایتی عرب طرز تعمیر کے مطابق تزئین و آرائش کی گئی۔ جن سے ہر گھنٹے پندرہ ہزار افراد کے اوپر آنے جانے کی گنجائش تھی۔ پہلی سعودی توسیع کے بعد کی جانے والی ان تبدیلیوں کے نتیجے میں مسجد حرام کی گنجائش بڑھ کر چار لاکھ افراد کی ہوگئی۔

بہترین منصوبہ بندی

جدید کمرشیل فضائی ٹرانسپورٹ کے آغاز کے بعد حجاز مقدس آنے والے عازمین حج کی تعداد میں بے پناہ اضافہ کے بعد ایک مرتبہ پھر بہترین منصوبہ بندی کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ۲ صفر ۱۴۰۹ ہجری کو خادم حرمین شریفین نے مسجد حرام کی گنجائش کو دُگنا

کرنے کے منصوبے کا سنگ بنیاد رکھا۔ خادم حرمین شریفین کے توسیعی منصوبے کے نتیجے میں تہہ خانوں، سطح زمین اور پہلی منزل کا رقبہ ۷۶ ہزار مربع میٹر ہونا تھا۔ اس کے مطابق مسجد میں مزید ایک لاکھ ستر ہزار نمازیوں کی گنجائش ہو جاتی۔ مسجد الحرام کے توسیعی منصوبے کا آغاز المسعیٰ کے علاقے سے ہوا جو ۸۶ ہزار ۸۰۰ مربع میٹر کے مجموعی رقبے کا احاطہ کرتا ہے۔ اس سے مسجد حرام کمپلیکس میں نمازیوں کی گنجائش تین لاکھ سے بڑھ کر سات لاکھ نمازیوں کی ہوگئی۔

تعمیر کے کام کے آغاز سے کئی برس قبل مسجد سے ملحق سوق صغیر کو منہدم کر دیا گیا تا کہ نئی توسیع کے لیے جگہ نکالی جا سکے۔ ۱۴۰۹ ہجری میں یہ پورا علاقہ بھرپور تعمیراتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا اور تعمیراتی کام تیزی کے ساتھ چلنے لگا۔ تہہ خانوں کے علاقوں کو ہموار کرنے کے لیے گہری کھدائی کی گئی۔ کیونکہ تہہ خانوں کو پورے کمپلیکس کی عمارت کے نیچے تیار کرنا تھا جہاں نماز کے علاوہ مسجد کی ضروریات اور خدمات کا اہتمام کیا جانا تھا۔ اس دوران مسجد کے اردگرد کے علاقوں کو ترقیاتی کاموں کے لیے منہدم کیا جاتا رہا۔

علاقے کی متعدد قدیم اور روایتی عمارتوں اور مکانوں کو گرا دیا گیا تا کہ تعمیراتی کام کو ممکن بنایا جا سکے۔ مسجد حرام مکہ مکرمہ کے وسط میں واقع ہے جہاں سے میونسپلٹی اور بے شمار خدمات کی لائنیں گزرتی ہیں۔ ان تمام خدمات کو تعمیراتی کام کے دوران روکنا خاصا مشکل تھا۔ ایک بڑی اور اہم پائپ لائن کھدائی کے مقام پر کٹ رہی تھی جسے کھدائی کے دوران یوں ہی چھوڑ دیا گیا۔ بنیادی ضرورتوں کی پائپ لائنوں کو کسی منصوبہ بندی کے بغیر برسہا برس میں بچھایا گیا تھا جس کے نتیجے میں اس مقام سے گزرنے والی نالیوں، پائپوں اور کیبلوں کا ایک جنگل وجود میں آگیا تھا۔ متعدد لائنوں کو دوسری سمتوں میں موڑ دیا گیا۔ جبکہ دیگر بنیادی ضرورتوں کو ایک ہی مقام سے مربوط انداز میں گزارنے کے لیے کافی

گہرائی میں کھدائی کی گئی۔ یہاں سے گزرنے والی بنیادی ضرورتوں کی اشیاء کی لائنوں کو مختصر مدت میں ایک متحدہ اور مربوط نظام سے منسلک کرنے کا عمل تعمیراتی ماہرین کے لیے انجینئرنگ کا ایک بڑا چیلنج بن گیا۔ متعدد محراب دار نالیوں کو مسعیٰ کے نیچے سے گزارا گیا جس کے لیے مثلثی شکل کے کھلے تہہ خانے تعمیر کیے گئے تا کہ ان کی مرمت اور دیکھ بھال میں آسانی رہے۔ ان تہہ خانوں میں ایئر کنڈیشننگ سسٹم کے آلات بھی نصب کیے گئے۔ پانی کی فراہمی اور نکاسی کی لائنوں، ہائی ٹینشن کیبل اور ٹیلی فون لائنوں کے لیے محراب دار نالیاں یا کنویں بے حد مفید تھے۔ جس سے نہ صرف مسجد حرام کی خدمت بلکہ آس پاس کے بلدیاتی اضلاع کو بھی سہولت ہو۔

ایک مسئلہ سیلابی پانی کا بھی تھا جس سے اکثر و بیشتر قدیم عمارت کو نقصان پہنچتا۔ جنوب سے آنے والا برساتی طوفان مکہ مکرمہ کو متاثر کرتا اور سیلابی پانی اس نشیبی علاقے میں داخل ہو جاتا جہاں مسجد حرام واقع ہے۔ اس سیلابی پانی سے مسجد حرام اور اطراف کا علاقہ زیر آب آجاتا تھا۔ مگر سیلاب کے پانی کے نکاس کے جدید ترین نیٹ ورک نے سیلاب کو داستان پارینہ بنا دیا۔ موجودہ توسیع میں اس نیٹ ورک کو سیلابی پانی کے نکاس کے تین نئے طریقوں کی بدولت مزید بہتر بنایا گیا۔

توسیعی مقام پر کھدائی کے دوران زیر زمین پانی کے ٹیسٹ کیے جاتے رہے۔ تا کہ بنیاد کے کام کے لیے راہ ہموار ہو سکے۔ اس کی بدولت بنیادوں کے ڈیزائن میں کئی مرتبہ ترمیم کی گئی تا کہ وزن کو مساوی تقسیم کیا جا سکے۔ نئی توسیع میں ایک میٹر اونچے ٹھوس سلیب بچھائے گئے جسے غیر ہموار بنیاد کہا گیا۔ یہ بنیاد اتنی مضبوط ہے کہ اس پر مستقبل میں پوری اضافی منزل تعمیر کی جا سکتی ہے اور یہ اسٹرکچر عمارت کو کسی بھی قسم کے زلزلے سے بھی محفوظ رکھ سکتا ہے۔ تیار کی گئی بنیاد پر واٹر پروف جھلی بچھائی گئی تا کہ ڈھانچے کو بڑھتی ہوئی نمی سے محفوظ رکھا جا سکے۔ ڈھانچے

کی بنیاد کے ساتھ فولاد اور کنکریٹ کے ۴۹۲ مضبوط امدادی چبوترے تعمیر کیے گئے۔ یہ چبوترے تہہ خانے کی سطح سے اٹھائے گئے جن کی مدد سے دائرے اور مربع نما معاون ستون تیار کیے گئے جو زمین اور پہلی منزل تک محیط ہیں۔

توسیعی مرحلے کا آغاز

زمین دوز اساس سے مسجد حرام کی توسیع کے اہم مرحلے کا آغاز ہوا۔ اس مرحلے میں تعمیراتی ماہرین کو دو غیر معمولی چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پورے تعمیراتی کام کے دوران توسیعی اور موجودہ حصوں میں پیدل چلنے والوں کا راستہ کھلا رکھنا ضروری تھا تاکہ مصلیوں کو مسجد تک آمد و رفت میں کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ دوم یہ کہ تعمیراتی مقام پر جگہ کی کمی اس امر کی متقاضی تھی کہ مٹیریئل کو تعمیراتی مقام سے دور رکھا اور تیار کیا جائے۔ چنانچہ کنکریٹ مکسنگ پلانٹ کدئی میں بنایا گیا۔ یہاں تین لاکھ مکعب میٹر کنکریٹ تیار کیا گیا۔ کنکریٹ کو ایک سرنگ کے ذریعہ مکہ مکرمہ کے تعمیراتی مقام تک لایا گیا۔

خادم حرمین شریفین تعمیراتی منصوبے کے ہر مرحلے میں ذاتی دلچسپی لیتے رہے اور تعمیراتی مقامات کے باقاعدگی سے دورے کرتے رہے اور تعمیراتی کام پر پیش رفت سے آگاہ ہوتے رہے۔

اس عمارت کو مستقبل میں آنے والی متعدد نسلوں تک قائم و دائم رہنے کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ چنانچہ تعمیر کے پورے منصوبے میں عمارت کی مضبوطی اور استحکام پر خصوصی توجہ دی گئی۔ تعمیراتی کام میں استعمال کیے جانے والے تعمیراتی مواد میں اعلیٰ معیار کے ۴۵ ہزار ٹن فولاد کا استعمال کیا گیا۔ تعمیراتی منصوبے میں اعلیٰ معیار کو برقرار

رکھنے کے سخت ضوابط کی پابندی کی گئی۔ اس دوران مختلف اشیاء کی جانچ پڑتال کا کام بھی مستقل جاری رہا۔ تعمیر میں مٹی کے بجائے مصنوعی پتھر کے اجزاء کو مستقل صورت میں استعمال کیا گیا جو سپر اسٹرکچر کی تعمیر میں معاون ثابت ہوا۔ اس سے مضبوطی کے ساتھ ساتھ حسن میں بھی اضافہ ہوا۔

یہ خصوصی تعمیراتی مٹیریل مکہ مکرمہ کے نواح میں واقع ایک فیکٹری میں تیار کیا گیا جو اس منصوبے کے لیے خاص طور پر تعمیر کی گئی تھی۔ مسعیٰ کے علاقے میں بنیادی سہولتوں کے زیر زمین پیچیدہ جال کے اردگرد واقع داخلی راستے بڑی خوبصورتی سے سجائے گئے۔ اطراف کے راستوں پر گرینائٹ کا فرش بنایا گیا جبکہ صحن میں وہی ٹھنڈا سفید سنگ مرمر استعمال کیا گیا جو مطاف اور چھت کے علاقوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ وسیع و عریض صحن متعدد مقاصد پورے کرتا ہے۔ مسجد میں آنے اور باہر جانے کے راستے کے طور پر، شہر کے باہر سے آنے والوں کے لیے آرام کرنے کی جگہ کے طور پر اور مسجد حرام کی اضافی عمارت کے طور پر جہاں لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں اور اپنے رب کے آگے سربسجود ہوتے ہیں۔

صحن سے متصل کثیر سطحی وضو خانہ کمپلیکس تعمیر کیا گیا جہاں عبادت گزاروں کو حفظانِ صحت کے مطابق اور آرام دہ طور پر پاک ہونے کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ اس کمپلیکس میں ایک ہزار ۴۴۰ غسل خانے اور ایک ہزار ۹۱ وضو خانے بنائے گئے ہیں اور پانی پینے کے ۱۶۲ نلکے لگائے گئے ہیں۔ یہ سہولتیں اعلیٰ معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے فراہم کی گئی ہیں تاکہ وہ لاکھوں نمازیوں کے مستقل استعمال میں رہنے کے باوجود پائیدار رہیں اور ان میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔

۱۴۱۱ ہجری کے ماہ رمضان المبارک تک مسعیٰ، صحن اور چھت کے تمام علاقے میں شاندار تعمیراتی کام مکمل ہو گیا تھا اور اہل ایمان سے بھر گیا تھا۔ جہاں وہ تراویح اور

تہجد کی نمازوں میں خشوع وخضوع کے ساتھ مصروف ہو گئے تھے۔

ایک طرف گراؤنڈ فلور تکمیل کے آخری مرحلے میں تھا اور دوسری طرف پہلی منزل کی تیاریاں جاری تھیں۔ اس کے ساتھ ہی منصوبے کا اگلا مرحلہ شروع ہوا۔ وادئ فاطمہ مکہ مکرمہ کے نواح میں واقع ہے۔ جہاں ایسے سنگ مرمر کا وسیع ذخیرہ موجود ہے جس نے پہلی سعودی توسیع کے دوران بیرونی آرائش میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ موجودہ منصوبے کے لیے ضروری تھا کہ پتھر تراشنے والی مشینوں کو زیادہ گہرائی تک پہنچایا جائے تاکہ شاندار سنگ مرمر حاصل کیا جاسکے سنگ مرمر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو وادئ فاطمہ سے پچاس کلومیٹر دور جدہ کے نواح میں سعودی ماول اینڈ گرینائیٹ فیکٹری تک لایا گیا جو مشرق وسطیٰ میں اپنی نوعیت کی سب سے بڑی اور جدید ترین فیکٹری ہے۔ وہاں سنگ مرمر کے سلیب تیار کیے گئے، انہیں کاٹا گیا، اور پالش کی گئی تاکہ اس کے فطری حسن کو جلا بخشی جاسکے۔ مکہ مکرمہ میں اس خوبصورت سنگ مرمر کو توسیعی منصوبے میں محفوظ مقامات پر نصب کیا جاتا رہا۔

جدید ترین بجلی نظام

باب فہد پر ۸۹ میٹر بلند دو مینار تیار کیے گئے۔ یہ مینار مسجد کے موجودہ سات میناروں سے ملتے جلتے ہیں۔ مسجد کے ۸۲ ہزار مربع میٹر کے پورے توسیعی حصے میں اعلیٰ قسم کا سنگ مرمر بچھایا گیا۔ مسجد کے مربع نما دائرے کی شکل کے معاون ستونوں میں بھی یہی سنگ مرمر استعمال کیا گیا۔ سفید سنگ مرمر کو نئے توسیعی منصوبے میں چھت کے وسیع علاقے میں بھی بچھایا گیا۔ جہاں چالیس ہزار نمازیوں کی گنجائش پیدا ہوئی تھی۔ مسجد حرام کے توسیعی منصوبے کی اہم بات اس کے تین بڑے گنبد ہیں جن میں سے ہر ایک کا قطر پندرہ میٹر اور لمبائی تیرہ میٹر ہے۔ ہنگامی صورتِ حال کے تمام

اوقات میں بجلی کی فراہمی کے بنیادی نظام کو یقینی بنانے والا ایک نیا سسٹم نصب کیا گیا۔ مسجد حرام میں مین الیکٹریکل برج سے بجلی فیل ہونے کی صورت میں بیٹری سے چلنے والے جنریٹروں کی مدد سے بغیر کسی خلل کے بجلی کی فراہمی کو ممکن بنایا گیا۔ جو مسجد میں مختلف مقامات پر نصب ہیں۔ یہ یونٹ اسکلیٹر ، ساؤنڈ سسٹم اور فائر الارم کو عبوری طور پر بجلی فراہم کرتے ہیں۔ اس نظام کو اس وقت تک کے لیے نصب کیا گیا جب کھدائی کے مقام پر ایک اسٹینڈ بائی پاور پلانٹ اپنا کام شروع نہ کر دیتا۔ اسکلیٹر کی دو اضافی عمارتیں بھی نئی توسیع کا حصہ بن گئیں۔ ان دونوں عمارتوں میں دو سیٹ اسکلیٹر لگے ہوئے ہیں اور اس طرح پوری مسجد میں اسکلیٹرس کی تعداد ۵۶ ہو گئی ہے۔ ان سے ہر گھنٹے ایک ساتھ پانچ لاکھ افراد آجا سکتے ہیں۔

مکہ مکرمہ کی شدید گرمی ہمیشہ عازمین حج کے لیے پریشان کن رہی ہے۔ اس لیے خادم حرمین شریفین نے فرمان جاری کیا کہ مسجد حرام میں ائیر کنڈیشننگ سسٹم نصب کیا جائے جو نئی توسیع شدہ عمارت کو ٹھنڈا رکھے۔ یہ سسٹم چھ منزلہ عمارت میں واقع ہے جسے سینٹرل اسٹیشن کہا جاتا ہے۔ اس میں کولنگ کا جدید نظام موجود ہے۔ جس کو ۳۸ ہزار پانچ سوٹن کی کولنگ کی اہلیت کا بنایا جانا ہے۔ یہ کولنگ مسجد حرام میں انسولیٹڈ پائپوں کی مدد سے پہنچائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ پلانٹ رہائشی ضلع میں واقع ہے اس لیے عمارت میں زبردست ساؤنڈ پروفنگ کی گئی ہے جو شور کو مناسب حد تک کم کرتی ہے۔ ۴۵۰ میٹر کی سرنگ کے ذریعہ ٹھنڈا پانی مسجد حرام تک پہنچایا جاتا ہے۔ یہ پائپ ٹھنڈا پانی مسجد حرام تک لے جاتے ہیں اور دوبارہ یخ بستہ کرنے کے لیے پانی کو واپس لاتے ہیں، توسیعی کام کے دوران یہ پائپ ذیلی زمین دوز حصے سے گزرتے تھے۔ پانی کو سکنڈری پائپوں کے ذریعہ ائیر ہینڈلنگ یونٹ میں پمپ کیا جاتا جو بالائی زمین دوز سطح میں واقع تھے۔ چھوٹے سائز میں یہ ایئر ہینڈلنگ یونٹ

اس طرح ڈیزائن کیے گئے ہیں کہ ان میں بے شمار خوبیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ان میں سب سے اہم خصوصیت ایک نیٹ ورک کے ذریعہ زیادہ دباؤ پر سرد ہوا کو کم کرنے کی گنجائش ہے۔ تاکہ مطاف کے گرد واقع محراب دار راہداریوں کے ذریعہ مسجد میں داخل ہونے والی گرم ہوا کو باہر دھکیلا جاسکے۔ ٹھنڈی ہوا مربع نما ستونوں سے خارج ہوتی ہے اور استعمال شدہ ہوا دائرہ نما ستونوں کے نچلے حصے سے باہر نکل جاتی ہے۔

مسجد کی اندرونی دیواروں کی آرائش کی تیاریوں کا کام اٹلی کی ایک ورکشاپ میں ماہر کاریگروں نے انجام دیا۔ قیمتی پتھروں کو کمپیوٹر کی مدد سے کام کرنے والی مشینوں سے تراشا جاتا تھا۔ یہاں بہترین ہنرمندی اور جدید ٹکنالوجی کی مدد سے اسلامی طرز کے شاہکار تیار کیے گئے۔ جنہوں نے مسجد کو خوبصورت دیدہ زیب اور پر وقار بنا دیا۔ اس پورے کام کو بے حد نفاست سے انجام دیا گیا۔ حتیٰ کہ مسجد کے زمین دوز علاقے کو بھی سنگ مرمر سے آراستہ اور جپسن سے مضبوط کیا گیا۔ ماہر کاریگروں نے اعلیٰ معیار کے ٹائل تیار کیے جو اسلامی فن تعمیر کا بہترین نمونہ تھے۔ یہاں تیار کیے جانے والے ٹائلوں نے شاندار محرابوں کو حسن بخشا جنھیں باب فہد پر نصب کیا گیا۔ اسلامی فن تعمیر کی انتہائی بڑی بڑی فانوسیں آویزاں کی گئیں اور انہیں پوری مسجد میں جا بجا سجایا گیا۔

جو تین عالیشان خوبصورت گنبد بنائے گئے وہ شاہ فہد کی جانب سے مسجد حرام کے توسیعی منصوبے کی علامت بن گئے۔ ماہر کاریگروں نے گنبد کے اندرونی حصوں پر بڑی احتیاط اور مہارت سے سونے کے ورق نصب کیے۔ ان گنبدوں کو دیدہ زیب اور خوبصورت بنانے میں کسی بھی قسم کی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ ان میں بنائی گئی کھڑکیوں نے گنبدوں کے حسن کو لازوال بنا دیا۔ کھڑکیوں پر جیومیٹری کے اشکال کے خوبصورت ڈیزائن بنائے گئے۔ اس کے ساتھ پہلی سعودی توسیع کے بیرونی حصوں کو

کھول دیا گیا تا کہ اسے نئی توسیع کے ساتھ مربوط کیا جاسکے۔ نئی اور پرانی عمارتوں کے درمیان بڑی مہارت کے ساتھ تعلق قائم کیا گیا جس کے سبب دونوں عمارتوں میں کیے گئے کام میں کہیں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔

مسجد حرام کے باہر ٹریفک کے ہجوم کو کم کرنے کے لیے ایک انڈر پاس بنایا گیا جس کے اوپر چھت تعمیر کی گئی تا کہ نمازی مسجد تک آسانی کے ساتھ آجاسکیں۔ انڈر پاس کی تعمیر سے ٹریفک کو کم کرنے کے علاوہ ایک وسیع و عریض جگہ بھی میسر آ گئی جس کی بدولت بنیادی سہولتوں کے دفاتر اور ایک بڑا دومنزلہ طہارت خانہ بنانے میں مدد ملی۔ ان میں ۶۹۰ غسل خانے ۴۴۹ وضو خانے اور پینے کے پانی کے ۱۱۴ نلکے ہیں۔ اس کے علاوہ سیڑھیاں اور اسکلیٹر بھی بنائے گئے۔ انڈر پاس کو چھ سو میٹر تک ڈھانپا گیا تا کہ مسجد حرام تک ٹریفک کا بہاؤ بلا کسی روک ٹوک کے جاری رہے اور نمازیوں کو پیدل چلنے میں بھی کوئی دشواری نہ ہو۔ مسجد حرام کے اردگرد پورے انڈر پاس کو ایک چھت سے ڈھانپ دیا گیا جس کی بدولت نماز کے لیے ایک اضافی جگہ قیمتی حصے کے طور پر میسر آ گئی۔

تعمیراتی کام کے دوران نمازیوں کی سہولتوں کو خاص ترجیحات حاصل رہیں۔ مسجد حرام تعمیراتی کام کے دوران چوبیس گھنٹے کھلی اور قابل رسائی رہی۔ یہ پورا منصوبہ تعمیراتی انجینئروں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ تعمیراتی کاموں کے دوران عارضی پلوں کے ذریعہ لوگوں کو آنے جانے کی سہولت فراہم کی گئی۔ بارہ ہزار گاڑیوں کی اہلیت والی مفت کار پارکنگ بنائی گئی تا کہ حجاج اپنی کاریں وہاں چھوڑ کر بسوں یا ٹیکسیوں کے ذریعہ مسجد حرام تک آسانی سے جاسکیں۔ پیدل چلنے والوں کے لیے راستوں کے ساتھ ساتھ سرنگیں بھی بنائی گئیں اور اس سلسلے میں حجاج کے حفاظتی انتظامات کا بھی خاص خیال رکھا گیا۔ اس طرح خادم حرمین شریفین کی ذاتی دلچسپی کے

نتیجے میں مسجد حرام اور مسجد نبوی کے شاندار توسیعی منصوبے کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ اس منصوبے پر مجموعی طور پر ۷۰ ارب سعودی ریال کا صرفہ آیا۔

۸۰ لاکھ حجاج کے لیے آئندہ توسیعی منصوبہ

مرحوم خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبد العزیز السعود کی مانند موجودہ فرماں روا شاہ عبداللہ بن عبد العزیز السعود کو بھی حرمین شریفین سے قلبی لگاؤ ہے اور انہوں نے بھی دوررس نگاہوں سے دیکھ لیا کہ آئندہ برسوں میں حجاج کی تعداد میں مزید اضافہ ہوگا۔ لہٰذا ان کی خاص ہدایت کے تحت آئندہ کا توسیعی منصوبہ مرتب کیا گیا ہے۔ جس کے مطابق حجاج اور زائرین کی روز افزوں تعداد کے پیش نظر مسجد حرام میں ۳۵ رفیصد توسیع کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس توسیعی منصوبے کو ۲۰۲۰ء تک پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے اور مکہ ڈیولپمنٹ اتھارٹی، مکہ میونسپلٹی اور حرمین شریفین کے امور سے متعلق مجلس صدارت اس توسیعی منصوبے کا گہرائی سے جائزہ لے رہی ہیں۔ مکہ ڈیولپمنٹ اتھارٹی نے اس توسیعی منصوبے سے متعلق ماسٹر پلان کو منظوری دے دی ہے۔ اس پلان کے تحت تیس لاکھ شہریوں اور ۸۰ لاکھ حجاج کے لیے گنجائش پیدا کرنا ہے۔ سعودی بن لادن گروپ نے مسعیٰ علاقے (صفا اور مروہ کے مابین) کی توسیع پر کام شروع کر دیا ہے۔ یہ توسیعی کام آئندہ حج سیزن سے قبل مکمل ہو جائے گا۔ اس کا مقصد مسعیٰ کے علاقے میں بھیڑ بھاڑ کو کم کرنا ہے۔ مسجد کے پورے علاقے میں ایئر کنڈیشننگ کا کام بھی کیا جانا ہے۔

خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ نے مسجد حرام اور اس پورے علاقے کی توسیع کے لیے ۲۰۰۵ء میں چھ پروجیکٹوں کا آغاز کیا تھا۔ جن میں جبل عمر رہائشی ٹاور بھی شامل ہے۔ اس ٹاور پر ۱۲ ارب سعودی ریال کے اخراجات آئیں گے۔ دو لاکھ تیس

ہزار مربع میٹر پر محیط جبل عمر پروجیکٹ میں فائیو اسٹار ہوٹل، تجارتی مراکز اور عبادت کی جگہیں بھی شامل ہیں۔ میونسپل اور شہری امور کی وزارت میں انڈر سکریٹری حبیب زین العابدین کے مطابق مکہ کے قلب میں ۲۵ تعمیراتی پروجیکٹوں پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔ جن پر مجموعی طور پر ۱۰۰ ارب سعودی ریال کے اخراجات آئیں گے۔ مکہ ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے جنرل سکریٹری سامی برہمین کے مطابق مسجد حرام کے آس پاس کا یہ ترقیاتی منصوبہ اس انداز سے ڈیزائن کیا گیا ہے کہ آس پاس کے لوگ بھی امام مسجد حرام کی اقتدا میں نماز ادا کریں۔ اس پروجیکٹ سے آب زم زم کے بہاؤ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ توسیعی منصوبے کے لیے جن عمارتوں کو منہدم کیا جانا ہے ان کے مالکوں کو اس کا بھرپور معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آس پاس کے تاجروں نے اس منصوبے کا خیر مقدم کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے ان کی تجارت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ بلکہ اس سے تمام لوگ استفادہ کریں گے۔

مسجد نبوی کی توسیعات

(متعدد ادوار میں)

مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ تشریف لائے۔ اونٹنی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ کے مکان کے سامنے رکی۔ اس جگہ بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی اور اس کے فوری بعد آپ نے وہاں مسجد تعمیر

کرنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ نے وہ قطعہ زمین دو یتیموں سے خرید لیا۔ کھجور کے پتوں اور تنوں سے تعمیر کی گئی ۸۰۵ مربع میٹر کے مختصر رقبے پر واقع مسجد نبوی آگے چل کر تمام مساجد کے ڈیزائن کے لیے ایک مثال بن گئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس اس مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسجد نبوی کو بلند مقام عطا فرمایا ہے جہاں اس کی رحمتوں کی بارش ہوتی اور اس کے بندے ہمہ وقت اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ رہجری میں مسجد نبوی میں ۲۴۷۵ مربع میٹر کی توسیع فرمائی۔ ۱۷ رہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں ایک ہزار ایک سو مربع میٹر کی توسیع کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۹ رہجری اور ۳۰ رہجری کے درمیان نہ صرف یہ کہ ۴۹۶ مربع میٹر کی توسیع کی بلکہ ساری عمارت میں منقش پتھر لگوائے اور ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا۔

مدینہ منورہ کے اس وقت کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ہدایت دی کہ مسجد کی پرانی عمارت کو گرا کر اسے از سر نو تعمیر کیا جائے اور اس میں دو ہزار ۳۶۹ مربع میٹر کی توسیع کے لیے اطراف کے مکانات کو خرید کر انہیں مسجد میں شامل کیا جائے۔ نئی عمارت تین سال کی مدت میں ۹۱ رہجری میں تیار ہوئی جس میں گنبد اور دو مینار شامل تھے اور دیواروں اور چھت پر طلائی کا کام اور نہایت عمدہ مینا کاری تھی۔

۱۶۱ رہجری میں خلیفہ محمد بن منصور عرف مہدی نے مسجد کو ۲۴۵۰ مربع میٹر کی وسعت دی اور پوری عمارت کو نقش و نگار سے آراستہ کیا۔ ۱۲۳۳ رہجری میں آل عثمان سے تعلق رکھنے والے سلطان محمود نے مسجد کے گنبد کو دوبارہ تعمیر کرایا اور ۱۲۵۵ رھ میں انہوں نے گنبد پر سبز رنگ کرایا جس کی وجہ سے وہ گنبد خضریٰ کہلاتا ہے۔ اس کے بعد

کئی صدیوں تک مسجد نبوی میں کوئی بڑی توسیع نہیں کی گئی۔حتیٰ کہ ۱۲۶۵ھ ہجری میں سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالمجید خان نے اسے عروس المساجد بنا دیا۔انہوں نے شمالی اور مشرقی سمتوں میں مسجد کو ایک ہزار ۲۹۳ مربع میٹر تک توسیع دینے کا کام شروع کروایا۔اس کام کی تکمیل میں ۱۳ برس صرف ہوئے۔مسجد حرام کے بعد مسجد نبوی تمام مسلمانوں کے لیے دوسری مقدس ترین مسجد ہے جہاں وہ دنیا کے کونے کونے سے زیارت اور عبادت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

پہلی سعودی توسیع

سلطان عبدالمجید کے بعد مسجد میں کسی قسم کی توسیع یا تبدیلی نہیں کی جا سکی۔ حالانکہ وہاں جانے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا،لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر شاہ عبدالعزیز آل سعود نے ۱۳۶۸ھ ہجری میں مسجد نبوی میں توسیع کا فرمان جاری کیا۔ ۱۳۷۰ھ ہجری میں ان کے صاحبزادے اور جانشین سعود بن عبدالعزیز نے توسیع کے کام کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ مسجد نبوی میں پہلی سعودی توسیع تھی۔محدود آلات اور مشینری کی قلت کے سبب زیادہ تر کام ہاتھ سے ہی کرنا پڑا۔ مسجد نبوی میں توسیع کی ضرورت اتنی شدید تھی کہ یہ منصوبہ پانچ برس ہی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔اس توسیع سے ترکی کے عثمانی دور کا رقبہ دُگنا ہوگیا اور مسجد نبوی میں تبدیلیوں کے جامع عمل کا آغاز ہوا۔

فضائی سفر کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد سے عازمین حج اور عمرہ کرنے والوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ ۱۳۷۵ھ ہجری میں عازمین حج کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ ۱۳۹۰ھ ہجری میں دس لاکھ ہوئی اور اس کے بعد کے عشرے میں بیس لاکھ تک جا پہنچی۔بعض ماہرین کی پیش گوئی ہے کہ آئندہ عشرے میں عازمین حج کی تعداد پچاس

لاکھ ہو جائے گی۔ ۱۳۹۳ھ ہجری میں شاہ فیصل نے عازمین حج کی بڑھتی تعداد کی پیش نظر شیڈ تعمیر کرانے کا حکم دیا۔ تاہم اس کا مستقل حل تلاش کیا جانا ابھی باقی تھا۔

شاہ فہد کے عہد میں تاریخ ساز توسیعات

۱۴۰۲ھ ہجری میں خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی میں ایک مرتبہ پھر توسیع کرنے کا فرمان جاری کیا۔ ان کی ذاتی نگرانی میں تین سال کے مطالعے اور جائزے کے بعد مسجد کی توسیع کا نقشہ تیار کر لیا گیا۔ جس کے نتیجے میں مسجد نبوی کو اس کے موجودہ رقبے کے مقابلے میں پانچ گنا توسیع دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی مسجد کے مقابلے میں سو گنا توسیع دینا تھا۔

۹ رصفر ۱۴۰۵ھ ہجری کو خادم حرمین شریفین نے اس عظیم الشان توسیعی منصوبے کا سنگ بنیاد رکھا۔ شاہ فہد نے منصوبے کی تکمیل کی مدت چھ سال مقرر کی۔ اس میں بہترین ساز و سامان اور جدید ترین تعمیراتی طریقوں کے استعمال کا فیصلہ کیا گیا۔ خادم حرمین شریفین کی خواہش تھی کہ ایک ایسا مرکز تیار کیا جائے جہاں عبادت گزاروں اور شہریوں کو بہترین سہولتیں اور خدمات فراہم کی جاسکیں۔ چنانچہ ایک ماسٹر پلان تیار کیا گیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے پورے مدینہ منورہ کو مسجد میں شامل کر لیا گیا۔ یہ قدیم شہر صدیوں سے عازمین حج کی خدمت کر رہا تھا لیکن ان کی بڑھتی ہوئی تعداد نے صورت حال کو پیچیدہ بنا دیا۔ شہر میں جدید ترین سہولتوں کی فراہمی کے لیے مسجد نبوی کی توسیع بنیادی اہمیت کی حامل تھی۔

منصوبے کا پہلا قدم

منصوبے کا پہلا کام قدیم عمارتوں کو منہدم کرنا تھا۔ منہدم کرنے کا تمام کام دھماکہ خیز مواد کے استعمال کے بغیر ہی مکمل کر لیا گیا۔ مٹی سے بنائے گئے روایتی مکان

آسانی سے گرائے گئے لیکن کنکریٹ سے تعمیر کی گئی جدید عمارتوں کو منہدم کرنے کا کام کہیں زیادہ مشکل اور خطرناک تھا۔ اس کا حل انجینئروں نے یہ نکالا کہ ایسی عمارتوں کی بنیادوں کو ایک خاص حد تک کمزور کر دیا جائے۔ اس کے بعد انہیں گرانا مشکل نہیں رہا۔ عمارتوں کو گرانے اور ملبے کو صاف کرنے کے کام کو مقررہ مدت میں مکمل کرنے کی غرض سے اس عمل کو چوبیس گھنٹے جاری رکھا گیا۔ جب عمارتوں کو منہدم کرنے اور ملبوں کی صفائی کا کام ہو رہا تھا تو اس بات کی پوری پوری کوشش کی گئی کہ شہری سہولتیں اور روزمرہ زندگی کم سے کم متاثر ہوں۔ کار پارکنگ کے عارضی مقامات اور پیدل چلنے والوں کے لیے فٹ پاتھ تعمیر کیے گئے تاکہ نمازی ہمیشہ آسانی اور سہولت کے ساتھ مسجد آسکیں۔ تعمیراتی کاموں کے تمام مرحلوں میں یہ امر بدستور ایک رہنما اصول رہا۔

تعمیراتی کام کا آغاز

۱۷ محرم الحرام ۱۴۰۶ ہجری کو مسجد کی توسیع کے لیے بنیادوں کی کھدائی کے ساتھ ہی تعمیراتی کام کا آغاز ہوگیا۔ مسجد کے اردگرد کا علاقہ صحرائی ریت کا ہونے کے باعث غیر مستحکم تھا اور عظیم الشان ڈھانچے کو سنبھالنے کے لیے بنیادی تعمیر کی جدید ترین ٹکنالوجی کی ضرورت تھی۔ عمارت کی بنیادوں میں وزن کو برداشت کرنے والے ۸۰۵۲۵ مضبوط ترین پائپوں کے استعمال کا فیصلہ کیا گیا۔ صحرائی زمین کی کھدائی بے حد دشوار تھی۔ بعض اوقات ٹھوس پتھریلی زمین تک پہنچنے کے لیے ۵۴ میٹر تک کھدائی کرنی پڑی۔ تعمیراتی انجینئروں اور سروے کرنے والوں نے پوری منصوبہ بندی اور یکسوئی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔ کھدائی کے کام کے پہلے مرحلے میں فولادی کیسن کو زمین کے اندر ڈالا گیا۔ دیوہیکل مشینوں سے کھدائی کا کام لیا گیا اور اس مرحلے میں زمین کے اندر ٹھوس کیمیائی مادے بڑی مقدار میں ڈالے گئے۔ مسجد کی

پائیداری کے سلسلے میں کامیابی کے اصول کے لیے بھاری مشینوں کا استعمال کیا گیا۔ اس عمل کے دوران انجینئر زمین کی تہوں کے نمونوں کا معائنہ کرتے رہے تاکہ اصل چٹانوں تک پہنچنے کے عمل کو یقینی بنایا جاسکے۔

ان مقامات پر جہاں بھاری ساختوں مثال کے طور پر میناروں کی ضرورت تھی وہاں جھٹکے برداشت کرنے والے جیکٹوں کے علاوہ فولادی کیسن بھی استعمال کی گئی۔ فولادی کیسن کی اندرونی اور بیرونی جگہوں پر کیمیائی مادے ڈالے گئے۔ تاکہ نئی عمارت کو ہر قسم کے مصائب سے محفوظ رکھا جاسکے۔

انتہائی مضبوط فولاد کے ۱۲ میٹر طویل بیلن کی شکل کے پنجرے بنائے گئے۔ اصل پوزیشن کو سنبھالنے کی غرض سے ان پنجروں کو کنکریٹ کی مدد سے نصب کیا گیا۔ ۱۲ میٹر کی لمبائی کو زمین کی تہہ میں اتارنے کے بعد ان کی ویلڈنگ کردی گئی۔ قریب ہی واقع ایک پلانٹ میں ایک لاکھ مکعب میٹر کنکریٹ تیار کیا گیا۔ کنکریٹوں کے معیار کی تصدیق کے لیے ستونوں میں الٹراسونک سینسر کا استعمال کیا گیا۔ مسجد نبوی کی نئی عمارت کو سنبھالنے کے لیے بہترین ستون تعمیر کیے گئے۔ اس پوری نئی عمارت کو مستحکم بنانے کا انحصار کنکریٹ کی قوت اور پائیداری پر تھا۔ عمارت کا پورا ڈھانچہ ستونوں کا مرہون منت ہوتا ہے۔ اس کی تعمیر میں کنکریٹ کے مقابلے میں فولاد کا استعمال زیادہ کیا گیا ہے تاکہ اس عظیم الشان ڈھانچے کو بے حد مضبوط بنایا جاسکے۔

تہہ خانے اور ستونوں کے لیے سریوں سے تیار کیے گئے اہم پنجروں کو بنیادوں سے اٹھائے گئے فولادی ٹاور کے ساتھ ویلڈ کردیا گیا۔ تعمیراتی کارکن دن میں پانچ مرتبہ اپنا کام عارضی طور پر روک دیتے اور دیگر افراد کے ساتھ مسجد میں نمازیں ادا کرتے۔ نہ صرف یہ کہ پورے تعمیراتی کام کے دوران لوگوں کی مسجد میں آمدورفت کی سہولت کو برقرار رکھا گیا بلکہ جب بھی ضروری ہوا زیر تعمیر عمارت بھی نمازیوں کے

لیے فراہم کی گئی۔ ۵ شعبان ۱۴۰۹ ہجری کو مسجد نبوی کے توسیع شدہ مغربی حصے میں فرش کی بھرائی کا کام انجام پایا۔

مصر کے ماہر تعمیرات کا ڈیزائن

آس پاس کی عمارتوں کو منہدم کرنے کے کام کے آغاز کے چار سال بعد بنیادیں پوری طرح مستحکم ہو چکی تھیں اور پر شکوہ عمارتی ڈھانچے کے کام کے لیے بنیادی تیاریاں مکمل کی جا چکی تھیں۔ اس عظیم الشان تعمیراتی کام کے دوران بالآخر تعمیر کا پہلا مرحلہ مکمل کر لیا گیا اور اس کی تکمیل کے دوسرے دن مدینہ منورہ میں باران رحمت ہوئی۔ مسجد نبوی کی توسیع کا ڈیزائن مصر کے ماہر تعمیرات ڈاکٹر محمد کمال اسمٰعیل نے تیار کیا ہے۔ مختلف رنگوں کے پتھروں کو آرائش کے لیے استعمال کیا گیا۔ اتنے عظیم الشان منصوبے کے لیے مناسب تعداد میں پتھروں کی فراہمی کی غرض سے اگر روایتی طریقے اختیار کیے جاتے تو پندرہ سال صرف ہوتے۔ تعمیراتی شیڈول کے مطابق ایک ایسا میکانیکی طریقہ درکار تھا جس کی بدولت پتھر دو سال کے اندر دستیاب ہو جائیں۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کی غرض سے تعمیراتی مقام سے بیس کلومیٹر دور دنیا میں مصنوعی پتھروں کی سب سے بڑی فیکٹری قائم کی گئی۔ پورے سعودی عرب سے مختلف رنگوں کے پتھروں کو حاصل کر کے انہیں توڑا گیا اور انہیں ایک خاص عمل کے ذریعہ سیمنٹ میں شامل کیا گیا۔ تعمیراتی کام کے لیے متعدد اقسام کے پتھروں کی ضرورت تھی۔ اس فیکٹری میں یومیہ سات سو پچاس پتھر تیار کیے جاتے۔ مجموعی طور پر پانچ لاکھ پتھر بنانے تھے جن میں سے بعض پتھروں کو آرائشی ستونوں میں نصب کرنا تھا۔ ماہر کاریگر جپسن پر نقش و نگار کندہ کرتے۔ ان کو نگیٹو انداز میں کندہ کیا جاتا تاکہ پتھر پر ان کا اصل نقش تیار ہو سکے۔ اس عمل میں جدید اوزاروں کی مدد لی گئی اور

پتھروں پر مختلف کیمیائی اجزا لگا کر عکس کو پائیدار بنایا گیا۔ اس فنکاری نے پتھروں کو ایک فنی شاہکار بنا دیا جس کی بدولت پوری عمارت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ دو ہزار تین سو بارہ محرابیں تیار کی گئیں جو ۲۷ کھلے اور ۶۸ بند صحنوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ چھت بھی اسی انداز میں تعمیر کی گئی جس کو منقش پتھروں سے آراستہ کیا گیا۔

خادم حرمین شریفین مسجد نبوی کی سالانہ زیارت کے لیے ۱۹ر جمادی الاول ۱۴۱۰ ہجری کو گئے۔ انہوں نے تعمیراتی منصوبے کا معائنہ کیا۔ مسجد نبوی کے چھ نئے میناروں میں سے پہلے کا کام شیڈول کے مطابق شروع کیا گیا۔ ایک مرتبہ پھر مصنوعی پتھروں کی ضرورت پڑی۔ جدید ترین نظام کے باوجود پتھروں کے بڑے ٹکڑوں کو میناروں کی چھت تک ہاتھ سے ہی لے جانا پڑا۔ مسجد کے چھ نئے میناروں کا حسن قابل دید ہے۔ ان کا ہر انداز اسلامی طرز تعمیر کے دریچے کھولتا نظر آتا ہے۔ باب فہد پر اسلامی فن تعمیر کے بھرپور مظہر کے طور پر دونوں میناروں کی تعمیر کی گئی۔ یہ مینار ۱۰۴ میٹر بلند ہیں۔

اس کی کوشش کی گئی کہ تعمیراتی سامان اندرون ملک کا ہی استعمال کیا جائے تاہم ضرورت پڑنے پر درآمداتی اشیا کا بھی استعمال کیا گیا۔ سعودی عرب میں اعلیٰ معیار کے گرینائیٹ یا سنگلاخ کے وسیع ذخیرے ہیں۔ ان سب سے سرخی مائل اور سرمئی رنگ کے اقسام کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ القسیم کے صحرا میں اس کے ذخائر ہیں۔ گرینائیٹ کا شمار ایشیا کی سخت ترین چٹانوں میں ہوتا ہے۔ اور اسے کاٹنا انتہائی دشوار ہوتا ہے۔ توسیعی منصوبے کے تحت قائم کی گئی فیکٹری میں گرینائیٹ کی سلوں کی خامیوں کو دور کیا گیا۔ یہ فیکٹری دنیا میں اپنی نوعیت کی سب سے بڑی فیکٹری مانی جاتی ہے۔ اس میں ہر ماہ چھ سو مکعب میٹر گرینائیٹ کو نمٹانے کی گنجائش ہے۔ ان پتھروں کی چھٹائی کے بعد درجہ بندی کی جاتی ہے۔ اور پھر ان کو کوڈ نمبر کے

ذریعہ کمپیوٹر میں فائیل کر دیا جاتا ہے۔ جسے کسی بھی مرحلے میں دیکھا جاسکتا ہے۔ گرینائیٹ کی سلوں کو کاٹنے کا عمل شب و روز جاری رہا۔ اس پورے عمل سے گزرنے کے بعد ہر پتھر پر کوڈ نمبر ڈالے گئے تا کہ تعمیر کے دوران انہیں درست مقام پر نصب کرنے میں سہولت رہے۔

سرکتے گنبدوں کا انوکھا تصور

مسجد کی چہار دیواری کے لیے ایک لاکھ بیس ہزار اینٹوں کی ضرورت پڑی۔ شاندار قسم کی مزید گیارہ ہزار اینٹوں کی بھی ضرورت تھی۔ ایک اور خاص قسم کے گرینائیٹ کو شہر کے جنوب میں واقع مہران کے نخلستان سے لایا گیا۔ یہاں سرخ رنگ کا گرینائیٹ پایا جاتا ہے۔ ان کو طویل مربع اینٹوں کی صورت میں نکالا گیا اور اسے ستون کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا۔ پھر ان ستونوں پر پالش کی گئی تا کہ گرینائیٹ کے سرخ رنگ کو واضح کیا جاسکے۔ مدینہ روانہ کرنے سے قبل ان کو حتمی طور پر چمکایا گیا۔ توسیعی منصوبے کے ڈیزائن میں ۲۷ وسیع اور کھلے صحن بھی شامل تھے۔ خادم حرمین شریفین نے فیصلہ کیا کہ انہیں اس طرح ڈھانپ دیا جائے کہ موسم کی مناسبت سے انہیں کھولا اور بند کیا جاسکے۔ ایک جرمن مسلمان ڈاکٹر محمد مراشکو کو ان کے جاندار گنبدوں کے ڈیزائن کا کام سونپا گیا۔ انہوں نے اس منصوبے کے آرکیٹکٹ ڈاکٹر کمال اسمٰعیل کی سرکردگی میں پورے منصوبے کا قریبی مشاہدہ کیا۔ ان کے جاندار گنبدوں کو توسیعی منصوبے میں شامل کرنے کے لیے ہمدردی سے غور کیا گیا۔ ڈاکٹر اسمٰعیل نے سرکتے گنبدوں کا اچھوتا تصور پیش کیا تھا۔ دونوں ہی تصورات عملی اور جمالیاتی طور پر درست تھے۔ ان دونوں تصورات کو یکجا کر کے گنبدوں کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا۔ وہ مسجد نبوی کے گنبد خضریٰ کی روایتی برتری کے لیے کسی قسم کا چیلنج

نہیں تھے بلکہ اس کے معاون اور مددگار تھے۔

حتمی ڈیزائن، اسٹرکچر اور خودان کے ڈیزائن کے سلسلے میں کمپیوٹر کے جدید ترین پروگراموں کو استعمال کیا گیا۔ جب خادم حرمین شریفین جمادی الثانی ۱۴۱۱ھ ہجری میں اپنے سالانہ معائنے کے دورے پر مسجد نبوی پہنچے تو سرکنے والا گنبد ان کی منظوری کے لیے تیار تھا۔ سرکتے گنبد کے نمونے کی پیشکش کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ اس کے بعد باقی ۲۶ گنبدوں کی تعمیر فوری طور پر شروع کر دی گئی۔ جنہیں بٹن دبا کر کھولا یا بند کیا جاسکتا ہے۔ عمدہ قسم کے فولاد سے ریلوے لائنوں کی طرز کے ٹریک اور پہیے تیار کیے گئے۔ انہیں اتنا مضبوط بنایا گیا کہ وہ گنبد کا وزن سنبھال سکیں۔ ایک پہیے کو بیس ٹن کا وزن اٹھانا پڑتا ہے۔ فولاد کے پہیے ریلوں کی طرح اعلیٰ قسم کے میٹریل سے تیار کیے گئے۔ ہر پہیے کو ہاتھ سے جوڑا گیا تاکہ گنبدوں کو بند کرنے اور کھولنے کا عمل کسی رکاوٹ، فنی خرابی یا دشواری کے بغیر انجام پائے اور محفوظ اور پائیدار بھی ثابت ہو۔ سرکتے گنبدوں کی تیاری اور انہیں نصب کرنے کا عمل مہارت اور عمدگی کے ساتھ انجام پایا۔ جدید ماہرین کو گنبد کی اندرونی ساخت کی لیمینیشن کے لیے بلوایا گیا۔ اس کام میں بے حد مہارت کے ساتھ ساتھ احتیاط کی بھی ضرورت تھی تاکہ کسی قسم کی خرابی کا امکان نہ رہے۔ گنبد کے پچھلے حصے کی مضبوطی کے لیے پلائی ووڈ کا استعمال کیا گیا۔ حتمی طور پر جوڑنے کے عمل سے قبل کناڈا کے کارکنوں نے لکڑی کو چھیل کر ہموار کیا۔ مراکش کی قیدار لکڑی اس مقصد کے لیے مثالی قرار دی جاتی ہے۔ اس کا استعمال مضبوطی اور پائیداری کی غرض سے کیا گیا۔ اس لکڑی پر نقش و نگار کندہ کرنے کا سارا کام ہاتھوں سے انجام پایا۔ اس کے لیے مراکش میں ماہر ہنرمندوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ لکڑی کی بڑی شہتیروں کو مراکش سے جرمنی بھیجا گیا۔ جہاں انہیں جدید ترین مشینوں کے ذریعہ کاٹا اور جوڑا جاسکتا تھا۔ تاکہ بنیادی ڈیزائن کے اہم

حصے بنائے جاسکیں۔ مسجد کی زیبائش و آرائش کے لیے جیومٹری کی اشکال کے بارڈر بنائے گئے اور ان پر سونے کی پٹیاں لگائی گئیں۔ ڈیزائن کی مثالی خوبصورتی کے لیے قیمتی پتھر امیزینائیٹ کے استعمال کا فیصلہ کیا گیا اور کینیا میں عمدہ قسم کا پتھر بالآخر تلاش کر لیا گیا اور کام کو اس منصوبے کے لیے خاص طور پر دوبارہ کھول دیا گیا۔ امیزینائیٹ کو اس کے مخصوص اور دلفریب رنگ کی وجہ سے منتخب کیا گیا تھا۔ ان قیمتی پتھروں کی حتمی طور پر پالش کی گئی اور لکڑی کے سونا چڑھے ہوئے ڈیزائن میں مخصوص مقامات پر نصب کر دیا گیا۔ گنبد کو اچھی طرح انسولیٹ کیا گیا اور واٹر پروف جھلی سے ڈھانپ دیا گیا۔ سرکنے والے گنبدوں کے کلش سوئٹزر لینڈ میں بنوائے گئے۔ انہیں ٹھوس پیتل سے تیار کیا گیا اور بغیر پالش کے چھوڑ دیا گیا۔ پھر اس پر ۲۳ کیرٹ سونا چڑھایا گیا۔ ۲۷ گنبدوں کے کلش سونے کے تاج کی طرح نظر آتے ہیں۔ یہ گنبد سائنٹفک نقطۂ نظر سے اپنی مثال آپ ہیں۔ ان گنبدوں کو الیکٹرانک بٹن کے ذریعہ آگے پیچھے کھسکایا جاتا ہے۔ یہ دنیا کی جدید ترین تہذیبی ترقی کا ایک نادر نمونہ ہیں۔ ایک گنبد کا وزن ۸۰ ٹن یعنی آٹھ ہزار کلوگرام ہے۔ یہ گنبد ۱۸×۱۸ میٹر کا ہے۔ اور یہ ایک دوسرے سے ۱۳٫۱۰ میٹر کے فاصلے پر نصب ہیں۔ فرش سے ان کی اونچائی ۱۶٫۶۵ میٹر ہے۔ یہ چھت کی سطح سے ۳٫۵۵ میٹر اونچی ایک خصوصی دیوار پر نصب ہیں۔ ہر ایک گنبد کا قطر ۱۴٫۷۰ میٹر ہے۔ ہر گنبد کے پورے حصے پر سونے کے ورق چڑھائے گئے ہیں۔ نتیجے کے طور پر ہر گنبد پر ڈھائی کلو سونے کے ہلکے اوراق چڑھائے ہوئے ہیں۔ گنبد کا اوپری حصہ جرمنی سنمائکا سے بنایا گیا ہے اور اسے مضبوط گرینائیٹ کی بنیادوں پر روکا گیا ہے۔ چار خالص لوہے کے پہیوں سے ان کو حرکت دی جاتی ہے۔ جن پر زنگ سے بچانے والا دھات چڑھایا ہوا ہے۔ ہر پہیہ کے لیے ایک مستقل انجن ہے جس کی قوت ڈھائی میگاواٹ ہے۔ دوسرے تمام

پہیوں کی خرابی کی صورت میں اکیلے ایک انجن ہی گنبد کو کھسکانے کی طاقت رکھتا ہے۔ ہر گنبد کو علاحدہ علاحدہ ایک منٹ کے اندر کھولا اور بند کیا جاسکتا ہے۔ بوقت ضرورت ہاتھ سے بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ جب بوقت ضرورت اچانک یہ گنبد کھسکتے ہیں تو دیکھنے والے حیرت و استعجاب کے سمندر میں غرق ہو جاتے ہیں۔

برازیل اٹلی اور یونان کا حسن

مسجدوں میں آرائش و زیبائش کے لیے سنگ مرمر کا استعمال اسلامی فن تعمیر کی ایک دیرینہ روایت ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے منفرد معیار اور منفرد رنگوں کے لیے متعدد اقسام کے سنگ مرمر احتیاط کے ساتھ منتخب کیے گئے۔ برازیل کے چکواوسا سنگ مرمر سے آرائشی ستون بنائے گئے۔ میناروں کے ستون اٹلی کے کرارہ سنگ مرمر سے تعمیر کیے گئے۔ چھت پر یونان کا سنگ مرمر نصب کیا گیا۔ یہ خالص سفید سنگ مرمر ہر اعتبار سے منعکس کرنے کی خوبی کا حامل ہے اور یہ ہمیشہ ٹھنڈا رہتا ہے۔ اٹلی کا سنگ مرمر سیڑھیوں پر استعمال کیا گیا۔ مسجد کی اندورنی خوشنمائی کے لیے ستونوں میں کرارہ سنگ مرمر استعمال کیا گیا۔ کرارہ سنگ مرمر پوری دنیا میں مشہور ہے اور ماہرین تعمیرات اس کو اس کی شفافیت، فن اور پائیداری کے باعث پسند کرتے ہیں۔ بڑی بڑی مشینوں سے مختلف سائز کے سنگ مرمر کی سلیں منگائی گئیں تا کہ ان کو ضرورت کے مطابق کام میں لیا جاسکے۔ دستکاروں کے لیے سب سے بڑے چیلنج والا مرحلہ گولائی کے حصوں کو موڑنا تھا تا کہ ۲۱۷۰ ستونوں کو ڈھانپا جاسکے۔ مشینوں کے ذریعہ یہ کام مکمل کیا گیا۔ پتھروں کے ۷۰ مختلف حصے پر ستون کے بنیادی اجزا بنے اور ماہر کاریگروں نے ہر حصے کو اس کی جگہ پر یقینی طور پر جوڑنے کا کام کیا۔

قرآن کریم کے نسخے رکھنے کے لیے خصوصی ڈبے تیار کرائے گئے۔ ۷ ارٹکڑوں

کو جوڑ کر ایک ڈبہ تیار کیا گیا۔ اور انہیں مقررہ مقامات پر نصب کر دیا گیا۔ صحنوں کو بھی اٹلی کے سنگ مرمر کے ٹائلوں سے مزئین کیا گیا۔ سنگ مرمر کے آٹھ ہزار طویل مستطیل مختلف رنگوں کے ۶۷ ٹکڑوں سے مل کر بنے یہ اٹلی، اسپین، پرتگال اور یونان کے پائیدار سنگ مرمر تھے۔ فرش کے ڈیزائن میں جدید ترین سافٹ وئیر سے مدد لی گئی۔ اس مخصوص طرز کو شاہی ڈیزائن کہا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر ۷۵ ہزار مربع میٹر کے فرشی ٹائل بچھائے گئے تا کہ توسیعی منصوبے کے تحت اندرونی حصوں کو مکمل کیا جا سکے۔ یہاں ڈاکٹر اسمٰعیل کے ڈیزائن کو استعمال کیا گیا ہے جو روایتی اسلامی ڈیزائن میں شامل ہے۔ خطاطی کے شاندار نمونے بھی استعمال کیے گئے جو کہ مساجد کے فن تعمیر کا ایک اہم جز ہے۔ آیات قرآنی کو ماہر خطاط کے ذریعے ٹن پلیٹ پر منعکس کیا گیا پھر ان کی ٹریسنگ کی گئی۔ آیات قرآنی کے لیے سنگ مرمر کو منتخب کیا گیا۔ اسے پالش کیا گیا اور اصل صورت میں کاٹا گیا۔

۱۰ ربجمادی الثانی ۱۴۱۲ ھ ہجری کو خادم حرمین شریفین نے مسجد نبوی کے نئے میناروں میں سے چھ میں سے آخری کلش پر اپنے دستخط ثبت کئے۔ آخری کلش کے نصب کرنے کے بعد آخری مرحلہ شروع ہوا جس میں مختلف آرائشی اشیاء کی تنصیب ،خوشنمائی سے متعلق دیگر جزئیات اور توسیعی منصوبے کی خدمات کو مکمل کرنا تھا۔

جدّہ کے قریب ایک فیکٹری میں خاص طور پر جدید ٹکنالوجی کی مشینیں نصب کی گئیں جن کی بدولت مختلف آرائشی اشیاء کی تیاری کے لیے پندرہ سوٹن پینسل کی صفائی میں مدد ملی۔ ماہر کاریگروں اور مشینوں کی مدد سے کام کی رفتار کو تیز کیا گیا اور فیکٹری میں روزانہ ایک ہزار چار سو نوے آرائشی اشیا اور ستونوں کی اساس تیار ہونے لگی۔ ایک سال کے قلیل عرصے میں چار مختلف اقسام میں برقی قمقموں کے لیے گیارہ ہزار چھ سو آرائشی اور خوشنما لائٹنگ فکسر بھی تعمیراتی مقام پر بھیجے گئے۔

جدہ میں زیادہ تر لکڑی کی آرائشی چیزیں بھی تیار کی گئیں۔ اس مقصد کے لیے اعلیٰ قسم کی ٹیک کی لکڑی استعمال کی گئی۔ اس فیکٹری میں لکڑی کا ہر قسم کا کام اعلیٰ قسم کی مشینوں سے کیا گیا اور ضرورت کے ہزاروں ٹکڑے تیار کیے گئے۔ ماہر کاریگروں نے مشینوں کے ساتھ ساتھ دستکاری بھی کی۔ مسجد کے اندرونی دروازوں پر خوبصورت نقش و نگار کندہ کیے گئے۔ ہر دروازے کو ٹیک کے ۶۰۰ ٹکڑوں کی صورت میں تراشا گیا اور ڈیزائن کے مطابق ان کو جوڑ دیا گیا۔ کھڑکیوں کے مختلف اقسام کے فریم بھی ٹیک سے بنائے گئے۔ ان پر وارنش کرنے کے بعد ان میں ٹھوس پینسل ڈیزائن کے مطابق نصب کیا گیا۔ رنگین شیشوں سے تیار کی گئی ستاروں کی شکل کی کھڑکیاں بھی جدہ کی ایک ورکشاپ میں بنائی گئیں۔ اسلامی فن تعمیر کے مطابق شیشے کی روایتی قسم کی ۲۴۰ کھڑکیاں تیار کی گئیں۔ تین افراد تین روز تک مسلسل شب و روز محنت کے بعد ایک کھڑکی تیار کر پاتے۔ براہیمیہ میں عمدہ قسم کا شیشہ ہاتھ سے تیار کیا گیا تاکہ مسجد کے فانوسوں کے لیے بے حد نفیس قندیلیں تیار کی جا سکیں۔ ان قندیلوں کو دیگر اجزا کے ساتھ مدینہ منورہ لا کر ایک ساتھ جوڑ دیا گیا۔ فانوسوں کے ڈیزائن کی تیاری روایتی اسلامی قندیلوں سے متاثر ہو کر کی گئی۔

برطانیہ کے انتہائی شاندار اور اعلیٰ قسم کے سنمکس تیار کرنے والی کمپنی نے مسجد کے لیے بہترین سنمک ٹائیل تیار کیے جن کو شاہ فہد دروازہ پر گنبدوں کے اندر اور باہر نصب کیا گیا۔ مسجد کے صدر دروازوں کی تیاری کے لیے ٹیک کی لکڑی اسپین کے بندر گاہ بارسلونہ تک پہنچائی گئی۔ دنیا بھر میں لکڑی کے کام کی سب سے زیادہ ضرورت اس منصوبے کے لیے پڑی۔ جدید مشینوں سے جو کہ لیزر کی مدد سے چلتی ہیں ان لکڑیوں کی کٹائی کی گئی۔ بہت احتیاط کے ساتھ ان کو مدینہ روانہ کیا گیا۔

فرانس کی کمپنی میں کام

فرانس کی ایک کمپنی میں دروازے پر پینسل کے نقش ونگار بنانے کا کام انجام پایا۔ اس کے ڈیزائن روایتی عرب طرز کے تھے۔ اس کام میں کئی مہینے صرف ہوئے۔ ماہر کاریگروں نے اپنا کام ماہر سونار کی طرح بڑی خوبصورتی سے انجام دیا۔ آخری مرحلے میں ان پر ۲۳ کیرٹ سونے کا پانی چڑھایا گیا۔ روانگی سے قبل ہر حصے کی جانچ پڑتال کی گئی پھر پالش کردی گئی۔

دروازوں کے ڈیزائن میں معمولی جزیات تک سے بھی صرف نظر نہیں کیا گیا۔ صدر دروازوں کو بنانا خاصا مشکل کام تھا کیونکہ ایک دروازے میں سینکڑوں ٹکڑوں کو جوڑا جاتا تھا جو آسان نہیں تھا۔ ہر دروازے کا وزن ڈھائی ٹن ہے تاہم مکمل ہونے کے بعد ان کو اتنے متوازن انداز سے چوکھٹوں میں لگایا گیا کہ ان کو ایک انگلی سے بند کیا اور کھولا جاسکتا ہے۔ مسجد نبوی میں معیاری سامان اور اعلیٰ معیار کی ہنرمندی نے مل کر داخلے کے چکا چوندھ کردینے والے راستے بنائے۔

اس طرح برسوں کی محنت اور ہزاروں ماہر ہاتھوں کی ہنرمندی اور جدید ترین مشینوں کے ذریعہ مسجد نبوی کی شاندار اور مہتم بالشان عمارت تعمیر کی گئی جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں مل سکتی۔

حاجیوں کی خدمت کا آغاز

۱۹۲۴ء میں آل سعود کی حکومت قائم ہوئی۔ سلطان ابن سعود ایک حوصلہ مند فرماں روا تھے۔ انہوں نے اپنے دور شباب میں بھی قبائلی حریفوں سے نبرد آزمائی کی اور انہی کے زمانے میں پٹرول کے چشمے اور سونے کی کانیں برآمد ہوئیں۔ انہوں نے

اوران کی اولاد نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔

سعودی حکومت میں حجاج کو جو سہولتیں اور آسانیاں میسر ہیں ترکوں کے دور حکومت سے انہیں نسبت ہی نہیں ہے۔سب سے بڑی دشواری اور پریشانی یہ تھی کہ راستے غیر محفوظ تھے۔اونٹوں پر سفر ہوتا تھا۔حجاج قافلے بنا کر چلتے تھے۔راستہ میں کسی پہاڑی کے دامن سے مسلح بدوی نکلے اور قافلے کو روک دیا، دھمکی دی کہ اتنی اشرفیاں دو ورنہ جان و مال کی خیر نہیں۔ بچارے حاجی چندہ کر کے ان قزاقوں کے مطالبہ کو پورا کرتے۔دو چار منزل چلے کہ بدویوں کی دوسری ٹولی نے آن گھیرا۔جیسے تیسے دے دلا کر ان سے جان چھڑاتے۔ایسا بھی ہوتا کہ کسی پڑاؤ پر ٹھہرنے کے بعد کوئی حاجی جنگل میں کسی ضرورت سے گیا یا قافلے سے پیچھے رہ گیا اور مال کے لالچ میں اسے قتل کر دیا گیا۔

مگر اب مجال ہے جو کسی کے جسم کو تو کیا کسی مسافر کی چٹائی کو بھی کوئی ہاتھ لگا سکے۔سلطان ابن سعود نے اپنی حکومت قائم کرتے ہی لوٹ مار کرنے والے بدویوں کا زور انتہائی سختی کے ساتھ توڑ دیا اور کسی کسی علاقے میں تو ان قزاقوں کی نسل ہی فنا ہوگئی۔ اب عرب کے راستے اس قدر محفوظ ہیں کہ ایک بوڑھی عورت تن تنہا سونا اچھالتی ہوئی چلی جائے تو کوئی اسے ٹوک نہیں سکتا۔

اب سے چند سال پہلے حاجیوں کے بڑے بڑے آرام دہ جہاز مکہ کے ساحل پر لنگر انداز ہونے لگے تھے۔مگر ان جہازوں کو کنارے سے ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو میل دور کھڑا کیا جاتا تھا۔حجاج کشتیوں کے ذریعہ ساحل پر لائے جاتے تھے۔اور سنا ہے کہ جہازوں سے کشتیوں پر اترنے کا مرحلہ خاصا دشوار اور خطرناک ہوتا تھا۔مگر اب یہ سب داستان پارینہ بن چکی ہیں۔

کھلے میدانوں میں حاجی دھوپ اور سردی میں پڑے رہتے تھے اب بھی لوگ عرفات، منیٰ، اور مزدلفہ میں پانی کی مشکلات کا ذکر کرتے ہیں۔مگر اب کے مقابلے میں اگلے زمانے میں مشکلات بے اندازہ تھیں اب تو حکومت نے جگہ جگہ نل لگا دیئے ہیں۔اور منیٰ میں بازاروں اور خیمہ گاہوں کی حد بندیاں کردی ہیں۔

حاجیوں کی خدمت کے لیے سعودی حکومت کی کوششیں

حکومت سعودی عرب نے حرمین کے زائرین کے لیے راستوں کو مکمل طور پر مامون ومحفوظ بنا دیا، اور اس بابرکت سفر کے دوران جو اللہ سے اجر اور مغفرت کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے، ان کے لیے تمام سہولتوں کا انتظام کیا، جن کی انہیں ضرورت ہوسکتی ہے۔حکومت کے تمام وسائل اور شعبے جن کا حج سے تعلق ہوسکتا ہے ،ہر سال اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ اللہ کے مہمانوں اور مسجد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زائرین کے استقبال کے لیے وقف ہوجاتے ہیں اور ان کے لیے جملہ خدمات اور سہولتیں فراہم کرتے ہیں جوان کے عظیم سفر کے شایانِ شان ہوں۔

حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ادائے مناسک میں حجاج وزائرین کی پوری مدد کی جائے اور سفر کی ہر منزل میں ان کے لیے مکمل اطمینان اور امن کی ضمانت دی جائے۔ہوائی اڈوں ، بندرگاہوں اور سفر کے دوسرے مقامات پر ان کی خدمت کے لیے آرام گاہیں اور شہر حجاج تعمیر کیے گئے ہیں، جن میں تمام ضروری سہولتیں مثلاً پانی، بجلی، وسائل نقل وحمل ،علاج کی سہولتیں اور ذرائع مواصلات جن کے ذریعہ وہ اپنے اہل خانہ سے رابطہ رکھ سکیں، میسر کیے گئے ہیں۔ اس بات کی بھی پوری کوشش کی گئی ہے کہ حجاج کرام کے لیے مملکت میں داخلے اور واپسی کے قواعد اور طریقوں کو آسان سے آسان تر بنا دیا جائے تاکہ وہ آرام سے ان تمام مراحل سے گزر جائیں۔

حکومت کے ذمہ داران حجاج کرام کی خدمت کے لیے دن رات جاگ جاگ کر وہ سب کچھ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ان کے سفر کی تکلیفیں کم ہوسکیں۔ انہیں مکمل امن وتحفظ حاصل ہو، ان کی مکمل رہنمائی کی جاسکے اور ہر ضرورت میں ان کے ساتھ مکمل تعاون کیا جائے۔ اس طرح ہر مقام پر ان کے لیے مساجد بھی تعمیر کی گئی ہیں جہاں اپنے عظیم مقصد کے حصول کے لیے انہیں جانا پڑتا ہے۔

ان اخراجات کا پوری طرح احاطہ نہیں کیا جاسکتا جو حجاج وزائرین کی سہولت کے لیے ہر سال کیے جاتے ہیں۔ اللہ کے مہمانوں کے لیے آمدورفت کی بہترین سہولتیں یعنی سڑکیں، گاڑیاں، بسیں وغیرہ مہیا کی جاتی ہیں۔ مکہ سے منیٰ، عرفات، مزدلفہ جانے، آنے کے لیے سڑکوں اور پلوں کا جال بچھا دیا گیا ہے۔ پہاڑ کھود کر ان میں سرنگیں تعمیر کی گئی ہیں تاکہ حجاج کم سے کم تکلیف اٹھا کر پوری طرح اور اپنے وقت پر مناسک حج ادا کرسکیں۔ حکومت سعودی عرب اس بات پر بھی راضی نہیں ہوتی کہ اس وقت دنیا میں سڑکوں وغیرہ کا جو بہترین معیار ہے، حجاج کے استعمال میں آنے والی سڑکیں اس سے ذرا بھی کم تر ہوں۔

جدید ترین ٹیکنالوجی کے مطابق حجاج کرام کے علاج کی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں اور اس بات پر شدت سے اصرار کیا جاتا ہے کہ ہر بیمار ہونے والے کا مکمل علاج اور بہترین تیمارداری کی جائے۔ وبائی امراض پر قابو پانے کے لیے ٹیکوں اور ادویات کے علاوہ تمام ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں، جن میں صفائی ستھرائی کا معیار بلند کرنا بھی شامل ہے۔ حجاج کے تحفظ کے لیے سیکورٹی کے ذمہ دار ادارے رات دن اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ نقصِ امن کی کوئی کوشش حجاج کی یکسوئی اور عبادت کے استغراق میں خلل نہ ڈال سکے۔ اگر کسی وقت سیکورٹی کا کوئی فرد مضبوط لہجے میں بات کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ رعب ڈالے، بلکہ اس لیے کہ

اسے سب کا تحفظ عزیز ہے، اور وہ اس میں غفلت نہیں کر سکتا۔

حجاج کرام کی لاکھوں کی تعداد کے لیے غذا اور طعام کا اس طرح انتظام کیا جاتا ہے کہ ہر وقت، ہر کسی کو انتہائی کم قیمت پر اس کی ضرورت کے مطابق کھانا، پینا، پھل وغیرہ میسر آسکیں۔ خوراک امن اور علاج کی ان سہولتوں کا انتظام صرف مکہ اور مدینہ میں نہیں بلکہ منیٰ، عرفات، مزدلفہ اور تمام سڑکوں، گزرگاہوں، ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں وغیرہ پر ہوتا ہے۔

حج کے انتظامات بہت پیچیدہ اور محنت طلب ہیں۔ صرف سفر کو لیجئے۔ مکہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ، واپس مکہ، پھر واپس منیٰ آنے جانے کے لیے اتنا ہی کافی نہیں کہ سڑکیں بنا دی جائیں، بلکہ چونکہ یہ سب کچھ ایک تھوڑے سے وقت کے اندر کرنا ضروری ہے، اس لیے اس پورے علاقے پر نظر رکھی جاتی ہے۔ ہیلی کاپٹرز اور ہوائی جہازوں سے نگرانی کے علاوہ کنٹرول روم میں اس سارے علاقے کی مکمل صورت حال کا نقشہ سامنے ہوتا ہے اور انتہائی ذمہ دار لوگ، خود خانوادۂ شاہی کے افراد، گورنر اور وزراء ذاتی طور پر اس بات کی نگرانی کرتے ہیں اور ہر طرح کی مشکلات حل کر کے آمد و رفت کی رفتار کو زیادہ سے زیادہ تیز رکھتے ہیں۔ کسی جگہ اگر رکاوٹ پڑ جائے تو اس کو فوری طور پر دور کیا جاتا ہے تا کہ حجاج مقررہ وقت کے اندر ان مشاعر تک پہنچ کر اپنے مناسک ادا کر سکیں، جو اللہ نے ان کے ذمے لگائے ہیں۔

حج کرا دینا ہی کافی نہیں، ہر حاجی کی زیادہ سے زیادہ خدمت اور اس کے لیے زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانا بھی ضروری ہے، اس لیے اس بات پر مسلسل غور وخوض جاری رہتا ہے کہ سفرِ حج کو مزید آرام دہ کیسے بنایا جائے؟ پورے حرم میں زم زم کو ٹھنڈا کر کے حجاج کی خدمت میں پہنچانے کا انتظام کیا گیا، پھر یہ انتظام ہوا کہ حرم نبویؐ میں بھی زم زم حجاج کے لیے میسر رہے اور خادم حرمین نے اپنی جیب خاص سے

لاکھوں ڈالر خرچ کر کے فیکٹری قائم کی ہے کہ زم زم کو صحت کے اصول کے مطابق پیک کر کے بلا قیمت حجاج کرام کی خدمت میں پیش کیا جائے تا کہ وہ اپنے ساتھ اپنے گھروں کو بھی لے جا سکیں۔

ان تمام انتظامات کے علاوہ حرمین شریفین کی توسیع، تزئین اور صفائی ستھرائی کے لیے مثالی پروگرام جاری رہتا ہے۔ سلطان عبدالعزیز کے عہد سے لے کر اب تک متعدد بار توسیع حرم ہو چکی ہے۔ اردگرد کے علاقے، زیادہ سے زیادہ قیمتیں ادا کر کے خرید لیے جاتے ہیں اور توسیع کی جاتی ہے۔

حجاج کرام سے ایک پیسے کا ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا۔ ان سے جو کچھ رقم لی جاتی ہے، وہ جدہ سے مکہ، وہاں سے منیٰ پھر عرفات، پھر مزدلفہ، پھر منیٰ کے سفر اور مکہ مکرمہ سے باہر خیموں میں قیام اور طعام کے لیے معلم لیتے ہیں اور ان تمام علاقوں میں حجاج کے لیے انتظامات کرتے ہیں۔ حکومت نے معلمین کی نگرانی کے لیے کڑے انتظام کیے ہیں اور اگر کوئی شکایت ہو تو اس سے سخت باز پرس کی جاتی ہے۔ یہ اجازت بھی ہے کہ اگر کوئی معلموں کے ذریعے یہ سہولتیں حاصل نہ کرنا چاہے تو وہ یہ پیسے لے کر خود انتظام کر سکتا ہے۔

آپ اندازہ لگائیے کہ انتظاماتِ حج پر خرچ کے علاوہ کتنی بڑی تعداد میں حکومت کے کارندے مطلوب ہوتے ہیں۔ اب اگر معلموں کا سلسلہ نہ ہو تو بہت سے انتظامات ایسے باقی رہ جائیں گے، جن کو کرنے کے لیے حکومت کے پاس کارندے نہیں ہوں گے۔ ان میں حجاج کی رہنمائی، نقل و حمل، حادثات اور بیماری کی صورت میں ذمے داری وغیرہ جیسی اہم خدمات ہیں۔ اگر حکومت انہیں اپنے ذمے لے تو مزید ہزاروں کارندے مطلوب ہوں گے جو حکومت کے لیے مہیا کرنا ناممکن ہے۔ معلمین کی اصلاح اور ان کی خدمات کا معیار بلند کرنے کے لیے بھی مسلسل کوششیں جاری رہتی ہیں۔ ان کا متحدہ دفتر، ان کے ایجنٹوں پر پابندی اور ان کی نگرانی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

مکہ مدینہ ریل رابطہ پروجیکٹ

حکومت سعودی عرب نے حجاج اور زائرین کی سہولت کے لیے جدہ۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ریل رابطہ کے قیام کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ ایک زبردست پروجیکٹ ہے جس پر ۲۰۰۹ء سے کام شروع ہوگا اور اس پروجیکٹ پر ایک تخمینہ کے مطابق بیس ارب ریال کا صرفہ آئے گا۔ اس پروجیکٹ پر عمل درآمد کے بعد تینوں شہروں کے مابین نقل وحمل کے شعبے میں انقلابی تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ اس پروجیکٹ کے سلسلے میں سردست چھ کمپنیوں سے بات چیت چل رہی ہے۔

سعودی عرب کے وزیر نقل وحمل اور سعودی ریلوے آرگنائزیشن کے چیئرمین کے مطابق ۲۰۰۹ء کے آغاز میں اس پروجیکٹ کا ٹھیکہ دیا جائے گا۔ اس سے قبل مالی وتکنیکی پیش کش کا مطالعہ کیا جائے گا۔ مکہ مدینہ ریل رابطے کا مقصد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور جدہ کے مابین ایک کروڑ عازمین وزائرین کو محفوظ، تیز رفتار اور آرام دہ ٹرانسپورٹ فراہم کرنا ہے۔

پروجیکٹ کے مطابق جدہ اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان نئی ہائی اسپیڈ الیکٹری فائیڈ ریل لائن ڈالی جائے گی۔ ریلوے لائنوں کو جدید ترین سگنلوں اور ٹیلی مواصلات سے لیس کیا جائے گا۔ ذرائع کے مطابق کم ازکم ۲۵ لاکھ حجاج حج سیزن میں جاتے ہیں جبکہ ۷۵ لاکھ زائرین عمرہ کے لیے جاتے ہیں جن میں ۲۰ لاکھ زائرین صرف رمضان میں عمرہ کرتے ہیں۔ حکومت کے ذرائع کا کہنا ہے کہ مکہ مدینہ ریل لنک پروجیکٹ سے تمام حجاج اور زائرین کو آمد ورفت کی زبردست سہولت حاصل ہوگی۔ اس ریل رابطہ کے مکمل ہونے کے بعد جدہ سے مکہ مکرمہ کی مسافت نصف گھنٹے کی اور جدہ سے مدینہ منورہ کی مسافت ڈھائی گھنٹے کی رہ جائے گی۔

سعودی عرب کی آبادی میں بھی بے پناہ اضافہ ہورہا ہے اور حجاج وزائرین کی تعداد میں بھی ہر سال اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اعداد وشمار کے مطابق ۲۰۲۰ء تک سعودی عرب کی آبادی بڑھ کر ۳۹ ملین یعنی تین کروڑ ۹۰ لاکھ اور ۲۰۳۰ء تک ۴۷ ملین یعنی چار کروڑ ۷۰ لاکھ ہو جائے گی۔ لہٰذا مقامی آبادی کے لیے بھی نقل وحمل کے جدید وسائل وذرائع کی ضرورت ہوگی۔ اس پروجیکٹ کی تفصیلات کے مطابق ریاض اور جدہ کے مابین ۹۵۰ کلومیٹر طویل ریل لائن بچھے گی جبکہ دمام اور جبیل کے مابین ۱۱۵ کلومیٹر کی ریل لائن بچھائی جائے گی۔

حرمین شریفین سے متعلق مجلس صدارت کے نائب صدر محمد الخذیم کے مطابق گزشتہ دو برسوں سے جب سے شاہ عبداللہ نے حرمین شریفین کے خادم کی ذمہ داری سنبھالی ہے، حرمین شریفین میں متعدد پروجیکٹوں پر کام ہوا ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ روزنامہ عرب نیوز سے گفتگو کرتے ہوئے الخذیم نے بتایا کہ شاہ عبداللہ نے مسجد حرام، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں ترقیاتی کاموں کے لیے دس ارب ریال کی منظوری دی ہے۔ رواں سال میں ایک ارب بیس کروڑ ریال کی لاگت سے متعدد پروجیکٹوں پر عمل کیا گیا ہے۔ ان پروجیکٹوں کا مقصد حجاج اور زائرین کو تحفظ اور سہولتیں فراہم کرنا ہے۔ ان پروجیکٹوں کے تحت مسجد میں صفائی کے نظام کو اور جدید بنایا گیا ہے، غلاف کعبہ کی تیاری کے کام کو اور بہتر کیا گیا ہے، نئے اشارے اور رہنما بورڈ لگائے گئے ہیں۔ شمالی چوک پر معذوروں کے لیے انتظام کو بہتر کیا گیا ہے۔ گراؤنڈ فلور پر قرآن مجید کے ۱۰۰ بکس نصب کیے گئے ہیں اور مغربی چوک پر واقع بس اسٹاپ تک جانے کے لیے بڑے اسکلیٹر لگائے گئے ہیں۔ سرکاری دفاتر اور آب زمزم کی تقسیم کی نگرانی کرنے والے دفاتر کو بھی بہتر بنایا گیا ہے۔ خادم حرمین شریفن نے صفا اور مروہ کے درمیان توسیع وترقی اور پوری مسجد حرام کو ایئر کنڈیشنڈ کرنے کا حکم

دیا ہے۔ مصروف ترین اوقات میں بھیڑ کو کم کرنے کے لیے اجیاد پیدل پل پروجیکٹ شروع کیا گیا ہے جو کہ مسجد حرام کی پہلی منزل کو اجیاد اسٹریٹ سے جوڑ دے گا۔ مجلس صدارت نے مسجد حرام میں بچھے قالینوں کی صفائی اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں آب زمزم کے ڈرموں کی صفائی کے لیے جدید ترین صفائی نظام نافذ کیا ہے۔ اس جدید نظام کے تحت ایک ہفتے کے اندر ۶۳۰۰ ڈرموں کی صفائی کی جا سکے گی اور ان کو کسی بھی قسم کے انفیکشن سے پاک کیا جا سکے گا۔ مجلس صدارت نے مسجدوں کے کمپیوٹر نیٹ ورک اور انٹرنیٹ سسٹم کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لیے ایک تکنیکی یونٹ بھی قائم کیا ہے۔ حرم میں کام کرنے والے ملازمین کی تربیت کے بھی انتظامات کیے گئے ہیں۔ ○○

سفر واپسی

یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ ایک بار پھر مکہ مکرمہ جانے کا موقع مل رہا ہے۔ پھر خانۂ کعبہ کا دیدار ہوگا، پھر طواف کیا جائے گا، پھر وہاں کے دلفریب اور مسحور کن مناظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا۔ پوری رات انہی حسین خیالات واحساسات میں کٹ گئی۔ یہ طے کیا گیا کہ جب مکہ مکرمہ چل ہی رہے ہیں تو کیوں نہ عمرہ کرلیا جائے۔ لہٰذا چھ جنوری کی صبح کو سب نے غسل کیا۔ احرام باندھا اور باوضو ہو کر تیار ہوگئے۔ حالانکہ مدینہ سے مکہ جانے پر میقات ذوالحلیفہ ہے جسے اب ابہار علی کہتے ہیں۔ وہاں احرام باندھنا چاہیے۔ لیکن سب کی رائے تھی کہ یہیں سے احرام باندھ لیا جائے۔ لہٰذا یہی کیا گیا اور دس ساڑھے دس بجے سب لوگ مع ساز وسامان نیچے اتر آئے۔ سامان ایک ٹرک میں لادا گیا اور ہم لوگ ایک لگژری بس میں سوار ہوگئے۔

ہماری بس سوا گیارہ بجے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئی اور جہاں ایک طرف مسجد نبویؐ اور مدینہ منورہ کے دلکش ودلفریب مناظر سے جدائی کا غم ستا رہا ہے وہیں دوسری طرف مسجد حرام کے دیدار کی خوشی ہم لوگوں کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے۔ گویا معاملہ دوآتشہ ہوگیا ہے۔ حاجیوں پر دونوں قسم کی کیفیات طاری ہیں۔ افسردگی اور ملال کا بھی عالم ہے اور خوشی ومسرت کے جذبات بھی ہیں۔ بہر حال ہم لوگوں کی بس روانہ ہوگئی۔ بس جنت البقیع کے کنارے کنارے کافی دیر تک چلتی رہی اور مسجد نبوی کے حسین وجمیل مینارے بھی نظر آتے رہے۔ یہ مینارے جب تک نظر آتے رہے، حاجیوں کی نگاہیں انہی پر ٹکی رہیں۔ ہونٹوں سے درود وسلام کی بارش

ہوتی رہی اور نگاہیں میناروں، گنبد خضریٰ اور جنت البقیع کا طواف کرتی رہیں۔ بالآخر یہ خوبصورت مناظر نظروں سے اوجھل ہو گئے اور بس آبادی سے نکل کر کھلی سڑک پر آ گئی اور فرّاٹے بھرنے لگی۔

بس ظہر کے وقت تک چلتی رہی۔ ڈرائیور نے ایک پیٹرول پمپ پر مسجد کے سامنے بس روکی، لوگوں نے اپنی ضرورتیں پوری کیں اور نماز ظہر ادا کی گئی۔ نصف گھنٹے کے بعد پھر بس روانہ ہو گئی اور دو ڈھائی بجے ایک ہوٹل کے سامنے بس پھر رکی۔ ڈرائیور نے اعلان کیا کہ جن لوگوں کو کھانا کھانا ہو وہ کھالیں۔ کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے یہاں سرد ہوائیں زیادہ لگ رہی ہیں۔ ہم لوگ احرام میں ہیں اور یوں لگ رہا ہے کہ یہ ہوائیں جسم کو چھید کر نکل جائیں گی۔ یہ ایک عام سا ہوٹل ہے۔ رکھ رکھاؤ اور دوسری چیزیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ یہاں زیادہ لوگ نہیں رکتے۔ ہوٹل پر کام کرنے والے اردو بول رہے ہیں غالباً وہ بنگالی ہیں۔ ہم چند لوگوں نے گوشت چاول اور روٹی لی۔ کالی چائے بھی لی گئی۔ کھانا بالکل بے لذت ہے۔ ہمارے یہاں کے تھرڈ کلاس کے ہوٹلوں سے بھی خراب، کسی طرح چند لقمے حلق کے نیچے اتارے گئے۔ یہاں کھانے کے ساتھ پانی نہیں ملتا۔ پانی کی بوتل خریدنی پڑتی ہے۔ بہر حال تھوڑی دیر کے بعد بس پھر روانہ ہوئی اور ہم لوگ تقریباً ساڑھے چھ بجے عزیزیہ شمالیہ پہنچے۔ یعنی پھر پرانی رہائش گاہ قصر العین وارد ہو گئے۔

پھر پہنچے قصر العین

تھوڑی دیر کے بعد یہ اعلان ہوا کہ جو لوگ طوافِ عمرہ کرنا چاہیں وہ رات میں جا سکتے ہیں۔ ۹ بجے گاڑیوں کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ بہت تھک گئے ہیں کل صبح طواف کریں گے۔ ہم لوگوں نے طے کیا کہ ابھی رات ہی میں

چل کر کر لیں۔ لہٰذا کھانے سے فراغت کے بعد ہم، مولانا عطاء اللہ امینی، مولانا عبدالباسط ریاضی، عطاء اللہ انور اور خالد انور نے حرم جانے کا پروگرام بنایا۔ پہلے طواف کیا پھر سعی کی اور پھر حلق کروایا۔ اس بار مروہ کی سمت میں واقع حجاموں کی دُکان میں گئے اور جہاں پہلے پندرہ ریال میں حلق کروایا تھا وہیں اس بار پانچ ریال میں ہوگیا۔ اس طرح عمرہ کر کے ہم لوگ رات میں ایک بجے قصر العین آ گئے۔ یہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کا سامان بھی مدینہ سے آ گیا ہے۔ قصر العین بالکل ایک نئی عمارت ہے جو حاجیوں کے لیے لی گئی ہے۔ یہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اور اتنی اونچائی پر ہے کہ نیچے سڑک سے اوپر تک آنے میں سانس پھول جاتا ہے۔ کئی جگہ دم لینے کے لیے رکنا پڑتا ہے۔ اگر گاڑیوں کا انتظام نہ ہو تو نیچے جانے اور پھر اوپر آنے کے لیے سو بار سوچنا پڑتا۔ یہ عمارت اتنی بلندی پر ہے کہ اس کے آس پاس کی دوسری دسیوں منزلہ عمارتیں نیچی لگتی ہیں۔ قصر العین کے سامنے اس سے بھی اونچی چوٹی پر ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ قصر العین سے مسجد تک پہنچنے اور اس میں داخل ہونے کے لیے ۹۰ زینے طے کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن یہ چڑھائی تکلیف دہ ہونے کے باوجود حاجیوں کے جوش و جذبات کو سرد نہیں کر پاتی اور نوجوان اور ضعیف تمام حاجی اس مسجد میں جا کر نماز ادا کر رہے ہیں۔

۷ر جنوری کو ہم نے اپنے ہم وطن مولوی عبدالرؤف کو فون کیا۔ پہلے بھی ان سے فون پر رابطہ قائم رہا۔ جدہ اور دمام میں رہ رہے اپنے چھوٹے بھائیوں قمر جمال انجم اور آصف ہلال انجم سے بھی فون پر برابر رابطہ قائم ہے۔ یہ سلسلہ آخر وقت تک چلتا رہا۔ ہمارے وطن کے دوسرے لوگ بھی مسلسل فون کرتے اور مبارکباد دیتے رہے۔ جس کو بھی پتہ چلا اس نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر موبائل پر رابطہ قائم کیا۔ بہر کیف عبدالرؤف نے کہا کہ آج کے دوپہر کا کھانا ہمارے گھر

کھائیں۔ اس جگہ جہاں پھیکا کھانا کھاتے کھاتے بور ہوگئے ہیں، زبان کے چٹخارے کا موقع مل جائے تو کیا کہنا۔ ہم نے کہا کہ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ ایک بجے وہ اپنی کمپنی کی گاڑی سے اور اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ قصر العین آئے۔ ان کے گھر جاتے وقت راستے میں بن داؤد سپر بازار سے کچھ چاکلیٹ وغیرہ خریدیں۔ ان کی رہائش گاہ غار ثور کے بالکل عین مقابل ہے۔ ان کے گھر سے دکھائی دیتی ہے۔ وہی غار ثور جہاں ہجرت کے وقت رسول اکرم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھپے تھے۔ دور سے غارِ ثور کا دیدار کیا اور پھر عصر کی نماز کے وقت قصر العین آ گئے۔

قصر العین سے جدہ کے لیے روانگی

ہم لوگوں کو پہلے ہی یہ بتا دیا گیا تھا کہ ۸/اور ۹/جنوری کی درمیانی شب میں ڈھائی بجے کی فلائیٹ ہے اور چھ گھنٹے پہلے ایئرپورٹ پہنچنا ہے۔ شام پانچ بجے سے ہی روانگی کی تیاری شروع ہوگئی اور ہم لوگوں کا سامان اسی بس میں لادا گیا ہے جس سے ہم لوگوں کو جانا ہے۔ ہم لوگ بس میں بیٹھ گئے۔ پونے چھ بجے ایک ذمہ دار نے آ کر بس کا جائزہ لیا اور ہندی حاجیوں کی گنتی کی۔ اس بس میں تین برطانوی حاجیوں کو بھی بٹھا دیا گیا۔ جن میں ایک خاتون ہیں۔ ان کی فلائیٹ ہم لوگوں کی فلائیٹ سے ایک گھنٹہ پہلے ہے۔ ٹھیک ۶/ بجے ادھر مغرب کی اذان ہو رہی ہے ادھر ہم لوگوں کی بس چل پڑی۔ مگر پہاڑی سے نیچے اترنے کے ساتھ ہی بس نے ہچکولے کھانے شروع کر دیے۔ غالباً مکہ مکرمہ چھوڑ کر جانے کو تیار نہیں۔ لیکن بہر کیف ڈرائیور نے بہت کوشش کے بعد اس پر قابو پا لیا۔ مکہ کی حدود سے باہر نکلتے وقت ایک جگہ بس رکی۔ یہاں اور بھی بسیں رکی ہوئی ہیں۔ چند نوجوان بس کے اندر آئے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ لوگ کس ملک کے ہیں اور کتنی تعداد میں ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے

سب کو دو دو لیٹر کی آب زم زم کی بوتل دی اور ناشتے کا ایک ایک پیکٹ دیا۔ راستے میں پھر ہم اس گیٹ سے گزرے جس کے اوپر خوبصورت اور پر شکوہ انداز میں رحل پر قرآن کی شبیہ بنائی گئی ہے۔ رحل کا ایک سرا سڑک کے اِس طرف تو دوسرا اُس طرف ہے۔ رات میں چکا چوندھ کر دینے والی روشنی میں نہایا ہوا یہ گیٹ انتہائی دیدہ زیب اور دلکش لگ رہا ہے۔ یہ گیٹ جہاں مسلمانوں کے لیے قرآن شریف کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے وہیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اس ملک کے باشندوں کے نزدیک قرآن کریم کی کتنی اہمیت ہے کہ حدود مکہ سے نکلنے والے ہر مسلمان کو وہ یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ اس کتاب کو اپنی زندگی میں اتار لو اور اپنی زندگی کو اس کتاب میں بتائے گئے احکامات کی روشنی میں ڈھال لو۔

جانا تھا کہاں چلے گئے کہاں

قصر العین میں یہ بتایا گیا تھا کہ دو ڈھائی گھنٹے کے اندر ہم جدہ ایئر پورٹ پہنچ جائیں گے۔ واقعی ہم ساڑھے آٹھ بجے ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ مگر ہم لوگوں کو کیا پتہ تھا کہ اصل آزمائش تو اب شروع ہونے والی ہے۔ ایئر پورٹ کے نزدیک ایک پولیس والے نے بس کو روکا۔ ڈرائیور نیچے اترا اور بتایا کہ ہمیں جدہ ایئر پورٹ جنوبیہ جانا ہے۔ پولیس نے کہا کہ یہ تو جدہ ایئر پورٹ شمالیہ ہے۔ اس نے جنوبیہ کا راستہ سمجھایا اور بس روانہ ہوگئی۔ وہ کافی دیر تک ایئر پورٹ کے چکر لگاتی رہی مگر ایئر پورٹ جنوبیہ نہیں آیا۔ ہم لوگوں کی حالت غیر کہ پتہ نہیں یہ پہنچا پائے گا بھی یا نہیں۔ ہم لوگوں سے زیادہ برطانوی حاجیوں پر گھبراہٹ طاری ہے۔ ان کی فلائیٹ ایک گھنٹہ پہلے ہے۔ کچھ دیر کے بعد اندازہ ہوا کہ ڈرائیور اناڑی ہے راستے سے لاعلم ہے۔ جگہ جگہ رک کر لوگوں سے راستہ پوچھتا ہے، آگے بڑھتا ہے اور پھر گم کردہ راہ ہو جاتا ہے۔

دونوں برطانوی ڈرائیور کے پاس آئے اور اس کو انگریزی میں ڈانٹنے لگے کہ جب تمہیں راستے کا پتہ نہیں تو کیوں آئے۔ ڈرائیور کو انگریزی نہیں آتی لہٰذا اس پر اس ڈانٹ کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ کچھ دیر کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ اَن پڑھ بھی ہے۔ راستے میں جو اشارے جگہ جگہ لگے ہیں ان کو پڑھ نہیں رہا ہے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ رات میں بھی وہ شیشے پر لگا ہوا سن اسکرین گرائے ہوئے ہے۔ جس کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی اشارے نہیں دیکھ پا رہے ہیں ۔ جب کوئی بورڈ پیچھے چلا جاتا ہے اور بس دوسری طرف مڑ جاتی ہے تب اندازہ ہوتا ہے کہ ارے جانا تو اُدھر تھا جا رہے ہیں اِدھر۔ پون گھنٹے تک چکر لگانے کے بعد اس نے ایک جگہ پر یوٹرن لیا اور جوں ہی آگے بڑھا پتہ نہیں کہاں سے پولیس کی گاڑی آگئی۔ پولیس والے بہت غصے میں ہیں کہ ڈرائیور نے قانون توڑا ہے۔ مگر اس غصے کے عالم میں بھی پہلے پولیس اور ڈرائیور میں سلام دعا ہوئی اس کے بعد پولیس والوں نے اس سے سوال جواب شروع کر دیا۔ اس پر بس کے کچھ لوگ نیچے آگئے اور پولیس والوں کو بتایا کہ ہم لوگ ضیوف خادمِ حرمین ہیں۔ ایئر پورٹ جنوبیہ جانا ہے۔ ڈرائیور راستہ بھول گیا ہے۔ براہِ کرم آپ لوگ راستہ بتا دیجئے۔ پولیس والوں کا غصہ ٹھنڈا ہوا ان کی گاڑی آگے آگے چل پڑی اور بس پیچھے پیچھے۔ کچھ دور جانے کے بعد انہوں نے راستے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ادھر سے چلے جانا۔ اور پھر پولیس کی گاڑی نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔

اَن پڑھ ڈرائیور کی کوتاہیاں

پھر ایک دو جگہ پوچھنے کے بعد بس ایئر پورٹ جنوبیہ کے قریب پہنچ گئی۔ اس بیچ ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی راستے پر دو دو بار گزرنا پڑا۔ ایئر پورٹ سے عین قبل دو اشارے لگے ہوئے ہیں۔ ایک پر انگریزی میں ارائیول (Arrival) لکھا ہوا ہے

اور دوسرے پر ڈیپارچر (Departure)۔ سن اسکرین اب بھی نیچے گرا ہوا ہے۔
لوگوں نے بہت کہا مگر اس نے اسے اوپر نہیں اٹھایا۔ اس سے پہلے کہ لوگ بورڈ دیکھ
پاتے ڈرائیور نے ارائیول والے راستے پر بس ڈال دی۔ لوگ بری طرح خفا ہو گئے۔
چیخ چیخ کر اس کو ڈانٹنے لگے مگر اب کیا ہوتا۔ ادھر جو ذمہ داران ایئر پورٹ پر ہم لوگوں
کے پاسپورٹ اور ٹکٹ لے کر انتظار کر رہے ہیں وہ الگ پریشان ہیں۔ ان سے
بذریعہ موبائل بعض حاجیوں کا رابطہ قائم ہے۔ بہرحال ڈرائیور نے چیخ و پکار سن کر بس
روک دی اور پھر اس کو بھی اپنی غلطی کا اندازہ ہوگیا۔ ڈرائیور بس سے اتر گیا اور
برطانوی حاجی بھی اتر گئے۔ حالانکہ وہ اس راستے پر چند گز ہی آگے بڑھا تھا مگر سوال
یہ ہے کہ واپس کیسے آئے۔ یوٹرن لینا غیر قانونی ہے بیک کر نہیں سکتے۔ اگر ہندوستان
کے کسی شہر کا معاملہ ہوتا تو ڈرائیور اطمینان وسکون کے ساتھ یوٹرن لے کر ڈیپارچر
والے راستہ پر بس کو ڈال دیتا۔ مگر یہاں یہ ناممکن ہے۔ ڈرائیور اور برطانوی حاجیوں
نے اندر جا کر کچھ لوگوں کو صورتِ حال بتائی اور راستہ معلوم کیا۔ ان لوگوں نے منت
سماجت کر کے ایک لڑکے کو بس میں بٹھالیا کہ وہ راستہ بتادے۔ اس لڑکے کو بھی زیادہ
علم نہیں۔ لیکن پھر بھی وہ راستے میں بس سے اتر اتر کر لوگوں سے پوچھتا رہا۔ دو جگہ
چنگی بھی ادا کرنی پڑی اور اس طرح پندرہ بیس منٹ مزید چکر کاٹنے کے بعد پھر بس
اس مقام پر آ گئی جہاں ڈیپارچر کا بورڈ لٹک رہا ہے۔ اس طرح جب بس ایئر پورٹ
کے احاطے کے اندر آ گئی تب لوگوں کی جان میں جان آئی۔ برطانوی حاجی انتہائی
عجلت میں اترے اور اپنا سامان لے کر اندر چلے گئے۔ اس طرح ساڑھے نو بجے ہم
لوگ ایئر پورٹ جنوبیہ پہنچے۔

جدہ ایئر پورٹ کے اندر

اندر عجیب وغریب حالات ہیں۔ پورا ایئر پورٹ میدانِ حشر بنا ہوا ہے۔ کوئی کہیں بھاگ رہا ہے تو کوئی کہیں۔ ہمارے گروپ میں کچھ لوگوں نے بہت زیادہ شاپنگ کر لی ہے اور ان کے سامان کا وزن اجازت سے کہیں زیادہ ہے۔ جبکہ ہم کچھ لوگوں کا سامان بہت کم ہے۔ منتظمین نے کہا کہ سب کا سامان بیک وقت وزن کرا دیتے ہیں۔ جتنا وزن زیادہ ہوتا ہے اس کا کسٹم سب حاجیوں پر برابر برابر تقسیم کر دیں گے۔ جن کے پاس کم سامان تھا انہوں نے اس سے اختلاف کیا۔ اس پر منتظمین نے کہا کہ تو پھر آپ لوگ اپنا اپنا سامان الگ الگ وزن کرا لیجئے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی ایئر لائنز کے عملہ سے بات چیت بھی چلتی رہی۔ بالآخر کسٹم ادا کرنے کا معاملہ ختم ہو گیا۔ ادھر ہم لوگ جس اسکریننگ مشین پر سامان رکھتے وہ تھوڑی دیر کے بعد خراب ہو جاتی۔ تیسری مشین سے کسی طرح سامان اندر گیا اور ہم لوگوں کو اطمینان نصیب ہوا۔ کچھ دیر کے بعد سیکورٹی چیک کا مرحلہ آیا تب ہم لوگوں کو پاسپورٹ دیئے گئے۔ بورڈنگ کارڈ اس سے پہلے ہی دے دیا گیا تھا۔ یہاں بالکل اندر آکر کافی دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ کچھ لوگوں نے مغرب اور عشا کی نمازیں ادا کیں اور کچھ نے ناشتوں پر ہاتھ صاف کیا۔ خدا خدا کر کے جہاز پر بورڈنگ کا اعلان ہوا اور جہاں دوسرے مسافروں کے ہینڈ بیگ وغیرہ کی زبردست چیکنگ ہو رہی تھی وہیں ہم لوگوں کے سامان کو چھوا تک نہیں گیا اور یہاں پھر ہم لوگوں کو قرآن شریف کا ایک ایک نسخہ دیا گیا۔ جہاز نے وقت پر پرواز بھری اور ریاض میں ایک گھنٹہ رکنے کے بعد پھر دہلی کے لیے اڑان بھری اور اس طرح ۹ رجنوری ۲۰۰۷ء کو ہندوستانی وقت کے مطابق دن میں پونے گیارہ بجے جہاز نے دہلی میں لینڈ کیا۔

○○

کیا چھوڑ آئے کیا ساتھ لے آئے

ہم لوگوں کے اس سفر دلنواز کا آغاز ۲۷ دسمبر کو اور اختتام ۹ رجنوری کو ہوا۔ گویا یہ بارہ تیرہ روز بہت انوکھے اور دلفریب رہے۔ یہ ایسے شب و روز تھے جن کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم گناہگاروں اور عصیاں شعاروں کو اللہ رب العزت نے اس قدر نواز دیا کہ ہمارے دامن تنگ پڑ گئے۔ رحمتوں، عنایتوں، برکتوں اور نوازشوں کی ایسی بارش ہوئی کہ ہم شرابور ہو گئے۔ یوں تو عملاً اس حسین سفر کا آغاز ۲۷ ردسمبر سے ہوا مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ سفر اسی وقت سے شروع ہو گیا تھا جب ہمیں یہ بتایا گیا کہ تمہارا نام ضیوف خادم حرمین میں شامل ہو گیا ہے۔ ہم چشم تصور سے حرمین شریفین دیکھ رہے تھے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں خود کو محسوس کر رہے تھے۔ خانۂ کعبہ کے طواف میں شامل رہے، صفا و مروہ کی سعی کرتے رہے، مسجد حرام میں نمازیں پڑھتے رہے، آس پاس کے بازاروں میں چہل قدمی کرتے رہے، عظیم میناروں کے زیر سایہ رحمت خداوندی لوٹتے رہے، روضۂ اطہر پر حاضری دے کر درود و سلام کا نذرانہ بھیجتے رہے، ریاض الجنہ میں دعائیں مانگتے رہے اور مسجد نبوی ﷺ کے میناروں اور گنبد خضریٰ کا چشم تصور سے طواف کرتے رہے۔ اس مقدس سرزمین پر پہنچنے سے قبل یہ کیفیات رہیں اور ہم ان سے خوب خوب لطف اندوز ہوئے۔

مگر جب سرزمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا قافلہ اترا تو عالم تصورات کی ان تمام عبادتوں نے حقیقت کا جامہ پہن لیا۔ تاہم سب کچھ ایک خواب سا لگ رہا تھا۔

جبکہ حقیقت یہ تھی کہ حرمین شریفین کے مبارک مقامات ہماری نگاہوں کے سامنے تھے اور ہم عالم تصور میں نہیں بلکہ عالم حقیقت میں وہاں موجود تھے۔ پہلی بار اور انتہائی کم وقفے کے لیے شرف دیدار حرمین حاصل ہونے پر ہم اس قدر نازاں وفرحاں تھے کہ دنیا کی تمام نعمتیں، تمام دولتیں، تمام عزتیں، تمام لذتیں، اور تمام نوازشیں ہیچ لگ رہی تھیں۔ بھلا ان پر کیا کیفیات طاری ہوتی ہوں گی جو طویل وقفے کے لیے یہاں آتے ہیں اور بار بار آتے ہیں اور یہاں کی بابرکت ساعتوں سے مسلسل ہم آغوش ہوتے رہتے ہیں۔

ہم تو یہاں سے خالی ہاتھ گئے تھے، ہاں ہمارے پاس اگر کچھ تھا تو گناہوں کی پوٹلی تھی، لغزشوں کا گٹھر تھا، معصیتوں کا انبار تھا اور بدنصیبیوں کا بارِ گراں تھا۔ مگر اب مت پوچھیے کہ ہم کیا چھوڑ آئے اور کیا لے آئے ہیں۔ اب ہمارے دامن اس قدر بھر گئے ہیں کہ چھلک جاتے ہیں اور اللہ رب العزت کی نوازشیں ہیں کہ مسلسل جاری ہیں۔ کسی بزرگ صفت نے اپنے تاثرات سفر حج میں لکھا ہے کہ جب انسان حرم شریف پہنچتا ہے تو اس کے گناہوں کی پوٹلی اور فضیلتوں کی دستار وہیں چھوٹ جاتی ہے۔ ہمارے پاس تو فضیلتوں کی کوئی دستار نہیں تھی ہاں گناہوں کی پوٹلی ضرور تھی، خدا کرے وہ وہیں چھوٹ گئی ہو۔ ہاں اسی کے ساتھ اس پر یقین کامل بھی ہونا چاہئے کہ جس نے وقوف عرفہ کرلیا اس کے تمام گناہ بخش دیئے گئے اور اگر کوئی یہ کہے کہ اس کے گناہ بخشے نہیں گئے ہوں گے تو وہ بہت بڑا بدقسمت ہے۔ ہمارا بھی یہ یقین ہے کہ ہم اپنے گناہوں کی پوٹلی وہیں چھوڑ آئے ہیں اور بدنصیبوں کے بوجھ کو وہیں اتار کر پھینک آئے ہیں۔

اس سفر دلنواز پر جانے سے قبل ہم کیا تھے اور اب کیا ہو گئے ہیں اس کا احساس اور ادراک تو وہی کر سکتا ہے جس کو اس مقدس سفر کی سعادت حاصل ہوئی ہو۔ ان دلی

کیفیات کا بیان تقریباً ناممکن ہے جو مناسک حج ادا کرنے کے دوران اور اس کے بعد طاری ہوتی ہیں۔ دوسروں کے بارے میں تو ہمیں نہیں معلوم مگر ہم اپنے بارے میں اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ہم ابھی تک اُن مسرور کن لمحات سے ہمکنار ہیں جو اُس سرزمین مقدس پر میسر آئے۔ جوں ہی ذہن و دماغ خالی ہوتے ہیں اور خیالات دامن دل کو چھوڑ دیتے ہیں، ہم پھر وہیں پہنچ جاتے ہیں جہاں سے ایسی بیش قیمت دولت لے کر آئے ہیں جس کا کوئی مول نہیں۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے گلی کوچے ہمارے تصورات اور جذبات و خیالات کی دنیا میں آباد ہیں اور ہم خالی الذہن ہوتے ہی ان گلی کوچوں میں چہل قدمی کرنے لگتے ہیں۔ ہم یک لخت مطاف میں داخل ہو جاتے ہیں اور طواف کرنے لگتے ہیں، مسعیٰ میں پہنچ کر سعی کرنے لگتے ہیں، صحن کعبہ میں نماز پڑھنے لگتے ہیں اور درو دیوار کا حسن و جمال نگاہوں کے راستے دل میں اتارنے لگتے ہیں۔ حجر اسود، ملتزم، حطیم، میزاب رحمت، رکن یمانی، مقام ابراہیم اور چاہ زمزم نگاہوں میں اٹھکھیلیاں کرنے لگتے ہیں اور ہم تب تک ان حسین و جمیل مناظر کے سحر میں کھوئے رہتے ہیں جب تک کہ کوئی ہمیں ٹوک نہ دے۔

کیا دنیا میں ان مقامات سے بہتر بھی کوئی مقام ہے، ان جگہوں سے خوبصورت بھی کوئی جگہ ہے اور ان مناظر سے حسین کوئی مناظر ہیں۔ نہیں بالکل نہیں۔ یہ مقامات، یہ جگہیں اور یہ مناظر تو اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کا کوئی ثانی نہیں۔ ان کا کوئی مقابل نہیں۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کی ایسی کارگاہ ہیں کہ ان میں داخل ہونے کے بعد جب انسان نکلتا ہے تو ایک نیا جسم لے کر، ایک نئی سوچ لے کر، نئے خیالات لے کر، نئے احساسات لے کر، نئی شکل و صورت لے کر، نیا کردار لے کر اور نئی کیفیات لے کر۔ اس کارگاہ میں انسان کے اسلامی کیرکٹر کی تشکیل ہوتی ہے۔ ان دیکھی خراد مشینیں ذہنی کج روی کو دور کرتی ہیں۔ افکار و خیالات

پر چڑھی ہوئی خود ساختہ بزرگی کی کائی صاف کرتی ہیں اور انسانی وجود کو مانجھ کر اس
پر اسلامی رنگ و روغن کی پالش کرتی ہیں اور اسے جلا بخشتی ہیں۔ یہ خراد مشینیں ان
نوکیلے کانٹوں کے سروں کو چھیل کر صاف کر دیتی ہیں، جو دوسروں کے لیے درد و تکلیف
کا باعث بنتے ہوں۔ ان کانٹوں کی بھی صفائی ہو جاتی ہے جو انسانی وجود کو اندر ہی اندر
چھلنی کرتے رہتے ہیں۔ اس کارگاہ سے جب ایک انسان نکلتا ہے تو وہ پہلے سے مختلف
ہوتا ہے اور اس کے خیالات و افکار اور غور و فکر کے زاویے بدل چکے ہوتے ہیں۔ خانۂ
کعبہ کا طواف اسے اپنی ذات کا طواف کرنے کی دیرینہ عادت ترک کرنے پر مجبور
کر دیتا ہے اور وہ اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر پوری انسانیت کی فلاح و کامرانی
کے عظیم تصور سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ جب وہ سرزمین مقدس کے ذروں کو اپنی آنکھوں
کا سرمہ بناتا ہے تو خود اس کی اپنی ذات ایک ذرّے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایک
ایسے ذرّے میں جو ذرّہ ہونے کے باوجود اپنے دامن میں آسمانوں کی رفعتیں
اور سمندروں کی گہرائیاں سمیٹ لیتا ہے۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی کے در و دیوار سے پھوٹتی
ہوئی ظلمت شکن شعاعیں جب اس کے وجود میں پیوست ہوتی ہیں تو اس کے نہاں
خانۂ دل و دماغ کا اندھیرا اچھٹ جاتا ہے اور اس کا پورا وجود ایسی روشنی میں نہا اٹھتا ہے
جو اس کو تو روشن کرتی ہی ہے، دوسروں کو بھی راستہ دکھاتی ہے۔

اسلامی سانچے میں کردار سازی کا یہ عمل تو دراصل اسی وقت شروع ہو جاتا ہے
جب ایک مسلمان حج کی نیت کرتا ہے۔ اسی وقت سے طہارت و پاکیزگی کا ایک
احساس ہالہ بن کر اس عازم کے وجود کی نگرانی کرنے لگتا ہے۔ اور جب وہ اس
انوکھے سفر پر روانہ ہوتا ہے تو طہارت و پاکیزگی کا احساس اور بڑھ جاتا ہے۔ اس
احساس کے ساتھ ہی اس کے افکار و خیالات میں بھی پاکیزگی آنے لگتی ہے اور اس کا
میلان گناہوں اور لغزشوں سے نیکیوں اور عبادتوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ کردار سازی

کا یہ عمل وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور پختہ اور دراز ہو جاتا ہے اور جب وہ پانچ روزہ حقیقی کارگاہ میں داخل ہوتا ہے تو اس کا پورا وجود نئی لذتوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔ ایسی لذتوں سے جو اس سے قبل اسے حاصل نہیں ہوئی تھیں اور شاید بعد میں بھی نہ ملیں۔ اس پانچ روزہ اجتماعی کارگاہ میں دنیا بھر کے مسلمان شامل ہوتے ہیں اور اجتماعیت کے ایک ایسے لازوال تصور سے فیضیاب ہوتے ہیں جو شاید کسی اور مذہب میں دیکھنے کو نہ ملے۔ ایسا نہیں ہے کہ پانچ روز کے بعد کردار سازی کا یہ سلسلہ بند ہو جاتا ہے، نہیں بلکہ یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک ایک حاجی سرزمین مقدس کی آغوش میں رہتا ہے۔ جب وہ وہاں سے واپس ہوتا ہے تو بدل چکا ہوتا ہے۔ اس کارگاہ میں گزارے ہوئے شب و روز اور حرمین کے خوبصورت میناروں کے زیر سایہ بتائے ہوئے لمحات کے اثرات تادیر قائم رہتے ہیں اور اس کو یہ احساس دلاتے رہتے ہیں کہ اس نے اللہ کے گھر کا طواف کرتے ہوئے گھر والے سے کچھ عہد و پیمان کیے ہیں، کچھ وعدے وعید ہوئے ہیں اور کچھ کرنے اور کچھ نہ کرنے کی قسمیں کھائی ہیں۔ اسے اپنے اس عہد و پیمان پر کھرا اترنا ہے، اپنے وعدے کا ایفا کرنا ہے اور اپنی قسموں کی لاج رکھنی ہے۔

ہم بھی ان لمحات سے گزرے ہیں، ان کیفیات سے دوچار ہوئے ہیں اور ان لذتوں سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ ہمارا وجود بھی خراد مشینوں کا مرہون منت ہے اور ہمارے احساسات و خیالات بھی عالمی اسلامی اجتماعیت کے تصورات کے احسان مند ہیں۔ سچ! ہم کیا بتائیں کہ کیا چھوڑ آئے اور کیا لے آئے ہیں...... ہم نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے وہ حقائق کا محض ایک موہوم سا عکس ہے ورنہ سچائی اس سے بھی کہیں زیادہ روشن ہے۔

ضیوف خادمِ حرمین کے لیے اطمینان بخش انتظامات

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے ہندستان سے اس بار پچاس لوگوں کو سعودی حکومت کے اخراجات پر حج کی دعوت دی گئی۔ لیکن اس کا فیصلہ بالکل آخر وقت میں ہوا۔ وقت کم ہونے کے سبب ہم لوگ حج تمتع نہیں کر سکے۔ ۸ویں ذی الحجہ سے پہلے اگر لے جایا گیا ہوتا تو ہم لوگ اور بھی بہت کچھ عبادت کر لیتے۔ لیکن بہر حال یہی کیا کم ہے کہ ہم لوگوں نے ایک بہت عظیم فریضہ ادا کر لیا۔ آخری وقت میں فیصلہ ہونے کے باوجود حج کے دوران اور اس کے بعد بھی انتظامات میں کوئی کوتاہی نظر نہیں آئی۔ دنیا بھر سے ایک ہزار لوگوں کو اس زمرے میں دعوت دی گئی تھی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کھانے وغیرہ کے انتظامات دو ہزار لوگوں کے لیے بھی کافی تھے تو غلط نہیں ہوگا۔ مکہ میں قصر العین سے حرم شریف جانے کے لیے بسیں، وین اور کاریں ہمیشہ کھڑی رہتی تھیں جس کو جب اور جہاں جانا ہو جائے۔ کنوینس کی کوئی دشواری نہیں۔ اس کے علاوہ جس نے جس چیز کی فرمائش کی وہ پوری کی گئی۔ کسی نے کوئی شکایت کی تو اسے دور کیا گیا۔ چند لوگوں نے شیڈول سے پہلے آنے کی خواہش ظاہر کی۔ ان کی خواہش کی تکمیل ہوئی۔ کچھ لوگوں نے مدینہ میں اس سے بھی اچھے ہوٹل میں قیام کا ارادہ ظاہر کیا ان کو اس ہوٹل میں پہنچا دیا گیا۔ غرضیکہ سہولتوں میں کوئی کمی نہیں رکھی گئی۔ سعودی حکومت نے جس ایجنسی کو ضیوف خادم حرمین کو حج کرانے کی ذمہ داری دی تھی اس کو جہاز کے ٹکٹ کو چھوڑ کر فی حاجی ۳۵ ہزار ریال دیئے تھے اور اس کوٹے میں دنیا بھر سے ایک ہزار حاجی تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ قصر العین کو، جو کہ پانچ ونگ پر مشتمل سات منزلہ عمارت ہے ۶۰ لاکھ ریال کرایہ پر حاجیوں کے قیام کے لیے لیا گیا تھا۔ ایک خاص بات یہ بھی نوٹ کی گئی کہ دسیوں بار ہم لوگوں کا سامان یہاں سے

وہاں لے جایا گیا مگر کسی کا کوئی معمولی سامان بھی راتوں رات کھلے آسمان کے نیچے پڑے رہنے کے باوجود غائب نہیں ہوا۔

حرف آخر

اس میں کوئی شک نہیں کہ حج کی سعادت حاصل کرنے کی خواہش ہر مسلمان کے دل میں موجود ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ سرزمین اپنے اندر اتنی کشش رکھتی ہے کہ جو ایک بار چلا گیا وہ بار بار جانا چاہتا ہے۔ اس خاکسار کی بھی دلی کیفیت یہی ہے۔ یہ ایک ایسا اعزاز ہے جس کے آگے دنیا کے تمام اعزازات پھیکے ہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ حج کی سعادت نے مجھے جتنی عزت اور طمانیت دی اتنی آج تک نصیب نہیں ہوئی۔ میں اس کے لیے جہاں اللہ تعالیٰ کا انتہائی شکرگزار ہوں وہیں ہندوستان میں سعودی عرب کے سفیر جناب صالح بن محمد الغامدی اور سفارت خانہ کے تمام عملے کا بھی ممنون ہوں کہ ان کی نظرعنایت سے میں یہ مقدس فریضہ ادا کرسکا۔ یہ ایک اعتراف حقیقت بھی ہے اور اظہار حقیقت بھی۔ ○○

مآخذ

۱۔	حج بیت اللہ	مولانا محمد داؤد راز
۲۔	سفرنامۂ حجاز	مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری
۳۔	سفرِ حجاز	مولانا عبدالماجد دریابادی
۴۔	کاروانِ حجاز	ماہر القادری
۵۔	شہاب نامہ	قدرت اللہ شہاب
۶۔	لبیک	ممتاز مفتی
۷۔	سوئے حرم	الشیخ ابوعدنان محمد منیر قمر ترجمہ: حافظ عبدالرؤف عبدالحنان
۸۔	خیموں کے شہر میں	صادقہ ذکی
۹۔	مشاہدات حرمین	سیّد اسعد گیلانی
۱۰۔	بطواف کعبہ رفتم	پروفیسر شعیب اعظمی
۱۱۔	زیارت مدینہ منورہ و مناسک حج	مولوی سعد مشتاق ندوی
۱۲۔	سوئے حرم	مولانا عبداللہ مدنی
۱۳۔	سوئے حرم چلا	سیّد جلال الدین عمری
۱۴۔	اللہ کے مہمانوں کی خدمت میں	وزارت اطلاعات مملکت سعودی عرب
۱۵۔	اعمال حج و عمرہ	صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان ترجمہ: ڈاکٹر سمیر عبدالحمید ابراہیم
۱۶۔	حج و عمرہ کے آداب	محمد بن صالح الشمیر ترجمہ: ڈاکٹر شمس کمال انجم
۱۷۔	سفرِ شوق	فرید احمد پراچہ
۱۸۔	آپؐ کے ہمراہ حج وداع کی داستان	خرام مراد
۱۹۔	قومی ڈائجسٹ، لاہور، پاکستان	(حج نمبر، جون ۱۹۸۸ء)
۲۰۔	مجلّہ مکہ (پہلا شمارہ)	ذی قعدہ ۱۴۲۷
۲۱۔	کتابچہ	شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس
۲۲۔	اخبارات و رسائل	
۲۳۔	سی ڈی اور انٹرنیٹ	

○○

"...... ہم تو یہاں سے خالی ہاتھ گئے تھے۔ ہاں! ہمارے پاس اگر کچھ تھا تو گناہوں کی پوٹلی تھی، لغزشوں کا گٹھر تھا اور معصیتوں کا انبار تھا۔ اب ہمارا دامن اس قدر بھر گیا ہے کہ چھلک جاتا ہے اور اللہ رب العزت کی نوازشیں ہیں کہ مسلسل جاری ہیں۔ کسی بزرگ صفت زائر نے اپنے تاثرات سفر حج میں لکھا ہے کہ جب انسان حرم شریف پہنچتا ہے تو اس کے گناہوں کی پوٹلی اور فضیلتوں کی دستار وہیں چھوٹ جاتی ہے۔ ہمارے پاس تو فضیلتوں کی کوئی دستار نہیں تھی، ہاں گناہوں کی پوٹلی ضرور تھی۔ اللہ کرے کہ وہ وہیں چھوٹ گئی ہو......"

— اسی کتاب سے ایک اقتباس

Publisher:

MUQADDAS ACADEMY

I-28/A, Abul Fazal Enclave

Jamia Nagar, New Delhi-110025

Ph: 011-26947827